عظیم الشان کامیابی وبین الاقوامی شہرت کا تیسرا مبارک سال
مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان
الرّضا
انٹرنیشنل
پٹنہ
MAY, JUNE 2018 مئی، جون ۲۰۱۸ء
چاند کے مسئلہ میں امت مسلمہ کا اضطراب:
آخر ذمہ دار کون
مسئلہ اذان واقامت اور اہل سراواں
شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مسئلہ تکفیر
الملفوظ کے حوالہ سے ایک خلجان کا ازالہ
اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ شاعری
سلسلہ رشیدیہ اور رضویہ کے یادگار نقوش
تین طلاق کا مسئلہ اور ملکی مسائل
چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر امجد رضا امجد

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دو ماہی

الرّضا

انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۳ — شمارہ نمبر ۱۵

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

مئی، جون ۲۰۱۸ء شعبان المعظم، رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دو ماہی 'الرّضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9973362000 / 8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

C/o. AL-Qalam Foundation, Behind Shadi Mahal

Khajoorbanna, Sultaganj, Patna - 6 E-mail: alraza1437@gmail.com

Contact / Telegram / Whtsapp : 9835423434, A/c. No.

Md. Amjad Raza Khan, CBI A/c. 3503380262, IFSC Code cbin0283732

Jagan Nath Singh Lane, Chawdhritola, Patna

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تا کہ رسالہ بر وقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵ / روپے، سالانہ ۱۵۰ / روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ / امریکی ڈالر

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دو ماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

منظومات
- حسان الہند اعلیٰ حضرت اامام احمد رضا قدس سرہ — 3

اداریہ
- چاند کے مسئلہ میں امت مسلمہ کا اضطراب: آخر ذمہ دار کون؟ — 4

تاثرات
- مفتی محمد حسن رضا نوری ■ مفتی مولانا صابر رضا محب القادری
- احسان احمد شاذ قادری ■ ٹی ایم ضیاء الحق دہلی — 10

تنقید واحتساب
- شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مسئلہ تکفیر — مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — 14
- مسئلہ اذان واقامت اور اہل سرا وان — مفتی محمد جمیل احمد رضوی — 26
- الملفوظ کے حوالہ سے ایک خلجان کا ازالہ — محمد میثم عباس قادری — 36

مطالعہ رضویات
- اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ شاعری — ڈاکٹر طیب ابدالی — 42
- سلسلہ رشیدیہ اور رضویہ کے یادگار نقوش — مولانا غلام سرور قادری — 44

حالات حاضرہ
- تین طلاق کا مسئلہ اور ملکی مسائل — مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی — 48
- والدین: دنیا کی سب سے عظیم نعمت — حافظ معراج احمد فریدی — 54
- شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات — ریاض فردوسی — 60
- وقت بڑا انمول ہے پیارے — حافظ ہاشم قادری — 56

حریم ادب
- علامہ اشتیاق عالم ضیا شہبازی، علامہ بدر القادری ہالینڈ،
- ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، دلکش رانچوی — 63

منظومات

نعت پاک

حسان الہند امام احمد رضا خاں قادری

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے
نار سے بچنے کی صورت کیجئے

اُن کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے

اُن کے حسنِ با ملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے

اُن کے در پر جیسے ہو مٹ جایئے
ناتوانو! کچھ تو ہمت کیجئے

پھیر دیجئے پنجۂ دیوِ لعیں
مصطفٰے کے بل پہ طاقت کیجئے

ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں
آبِ کوثر کی صباحت کیجئے

یادِ قامت کرتے اٹھئے قبر سے
جانِ محشر پر قیامت کیجئے

اُن کے در پر بیٹھئے بن کر فقیر
بے نواؤ فکرِ ثروت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

حیِّ باقی جس کی کرتا ہے ثنا
مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے

عرش پر جس کی کمانیں چڑھ گئیں
صدقے اس بازو پہ قوت کیجئے

نیم وا طیبہ کے پھولوں پر ہو آنکھ
بلبلو! پاسِ نزاکت کیجئے

سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ
خم ذرا فرقِ ارادت کیجئے

آنکھ تو اٹھتی نہیں کیا دیں جواب
ہم پہ بے پرسش ہی رحمت کیجئے

عذر بد تر از گناہ کا ذکر کیا
بے سبب ہم پر عنایت کیجئے

نعرہ کیجے یا رسول اللہ کا
مفلسو! سامانِ دولت کیجئے

ہم تمہارے ہو کے کس کے پاس جائیں
صدقہ شہزادوں کا رحمت کیجئے

عالِمِ علمِ دو عالَم ہیں حضور
آپ سے کیا عرضِ حاجت کیجئے

آپ سلطانِ جہاں ہم بے نوا
یاد ہم کو وقتِ نعمت کیجئے

تجھ سے کیا کیا اے مرے طیبہ کے چاند
ظلمتِ غم کی شکایت کیجئے

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یاد اس کی اپنی عادت کیجئے

□□□

اداریہ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

چاند کے مسئلہ میں امت مسلمہ کا اضطراب:

آخر ذمہ دار کون؟

تاریخ شاہد ہے کہ چاند کے مسئلہ میں اختلاف ہمیشہ امارت شرعیہ کے آمرانہ وسیاسی رویہ کی وجہ سے ہوا ہے، جسے ختم ہونا چاہئے

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

یہ المیہ ہے کہ بہار میں خصوصی طور پہ چاند کی رویت وشہادت کا مسئلہ شرعی کے بجائے سیاسی رہا ہے اور اسی مکروہ ذہنیت نے امت کو ہمیشہ اختلاف کے آزار میں مبتلا کیا ہے۔ خودنمائی، خودسری، اور ضابطوں کی خلاف ورزی سے ہی اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے اور باہمی نزاع وپیکار کی صورت رونما ہوتی ہے۔ یہ تلخ حقیقت ہے کہ امارت شرعیہ اپنے قیام سے اب تک ہر معاملے میں خودنمائی، خودسری اور قانون شکنی کا مظاہر کرتا رہا ہے اور نتیجہ کے طور پر ملت اسلامیہ آپس میں دست وگریباں ہوتی رہی ہے۔

۲۰۰۵ء میں بھی عید اختلاف وانتشار کے لبادے میں آئی اور ''جیسے گذر سکی شب غم گذار دی'' کے مطابق گذر گئی، مگر ۲۹ر کے چاند کی رویت وشہادت کے اثبات وتردید کو لے کر اردو اخبارات میں ؏ دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے کا مظاہرہ شروع ہوگیا اور ۲ / ۴ دن نہیں دو تین ہفتہ تک نفسیاتی کرب کی کرچیاں نوع بہ نوع مباحث کی صورت میں اخبار کے صفحات پر منتقل ہوتی رہیں، وضاحتی بیان اور بیان صفائی کی گرم بازاری نے عوامی ذہن کو ایسا الجھا دیا کہ وہ بھی اپنے مجروح جذبات کا آئینہ لے کر اخبارات میں اتحاد اتحاد کی دہائی دینے لگے، مگر افسوس کہ ان کی یہ آواز امارت کے ان بالانشینوں کو متاثر نہ کر سکی جن کے نزدیک پندارنفس کی خوشنودی دین کی سب سے بڑی خدمت ہے ؎

دشت ہوس میں تخم تمنا سعئ لاحاصل ہی رہا
ریت کا دریا کبھی نہ اترا اس میں ہمیشہ ڈوبا پانی

بہار کے مسلمان چاند کے معاملے میں عہد برطانوی سے ہی مفاد پرست علماء کے ہوس کا شکار ہیں۔ درمیان میں ایسے کتنے مرحلے آئے، جہاں ان علماء کو عوام خواص کے نیازمندانہ وجارحانہ تیور کا سامنا کرنا پڑا اور شرعی اصولوں کے ساتھ شارعی رویہ اپنا نے کے سبب عوامی عدالت میں خجالت اٹھانی پڑی۔

بیسویں صدی کے نصف اول سے اکیسویں صدی کے اس مقام تک چاند کے معاملے میں کتنے نزاعی معاملات کھڑے ہوئے ہیں اور کتنی بار مسلمانوں کو دست وگریباں ہونا پڑا ہے، اخبارات ورسائل کے حوالے سے اس کی ایک جھلک قارئین کے سامنے ہے، مگر اس سے پہلے یہ حقیقت قبول کر لیجئے کہ چاند کے مسئلے پر جب بھی اختلاف رونما ہوا ہے، امارت شرعیہ کے ۲۹/ر کے اعلان پر ہوا ہے۔ اور شرعی طور پر رویت وشہادت نہیں ہونے کے سبب اس کے بالمقابل ادارۂ شرعیہ نے ۳۰/ر کا اعلان کیا ہے ـــــ اختلاف کی اس پوری تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ادارہ نے ۲۹/ر کا اعلان کیا ہو اور امارت نے ۳۰/ر کا ـــــ یا ادارہ کے ۲۹/ر کے اعلان کو غیر شرعی کہہ کر امارت نے اسے کبھی بھی چیلنج کیا ہو ـــــ چاند کے معاملے میں ادارہ اور امارت کا ٹکراؤ آخر یک طرفہ کیوں ہے؟ کبھی تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا؟ ـــــ اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ امارت کے نزدیک چاند کا معاملہ شرعی سے زیادہ سیاسی نوعیت کا حامل ہے اور اس کے اعلان کے پس پشت وہی جذبہ مفاد کارفرما ہے جس کی ترجمانی روزنامہ اخبار سنگم (۱۶ نومبر ۲۰۰۴ء) میں بایں الفاظ کی گئی ہے:

''امارت نے بازی مارنے کے چکر میں چاند دیکھنے کا اعلان کر دیا۔ چاند نکالنے کے ہوڑ میں امارت شرعیہ ہمیشہ آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ امارت شرعیہ پچھلی دفعہ اعلان کر کے جتنے لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا اس میں اس بار فلاپ ہو گیا۔'' (روزنامہ سنگم)

اب اسی تناظر میں نمبروار مختلف حوالہ جات ملاحظہ کیجئے جس سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ امارت ہی کے ۲۹/ر کے اعلان نے ہمیشہ امت کو اختلاف کی اذیت میں مبتلا کیا ہے۔

(۱) آج سے تقریباً ۸۳/ر سال قبل ۱۳۵۶ھ کے ماہ ذی الحجہ کا چاند ابر کے محیط ہونے کے سبب نظر نہیں آیا اور نہ شرعی طور پر رویت کا ثبوت ہی فراہم ہو سکا، تو درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ کے سید شاہ محمود حسین قادری صاحب نے ۳/ر ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کو اپنے یہاں ہونے والے عرس کے موقع پر صوبہ کے مشاہیر ومشائخ اور الہ آباد وبنارس سے آئے ہوئے تمام مسلمانوں سے تحقیق رویت کے بعد ۳۰/ر کے چاند کا اعلان کر دیا گیا۔ مگر امارت شرعیہ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے محض تار وخطوط اور خبر کی بنیاد پر ۲۹/ر کی رویت کا اعلان کیا اور نتیجہ کے طور پر امت دو خانوں میں بٹ گئی ـــــ اس اختلاف کو پاٹنے کے لئے شاہ محمود حسین قادری نے شاہ بدر الدین علیہ الرحمہ کی ایک ۲۲/ر سالہ قدیم تحریر جو ''معارف پھلواری ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ'' میں شائع ہو چکی تھی، علما ومشائخ اور معززین کے دستخط کے ساتھ پھر سے شائع کر دی، جس میں شاہ صاحب نے ''حلبی'' کی ایک عبارت نقل کرتے ہوئے چاند کے معاملے میں تار، خبر کو غیر معتبر قرار دیا تھا۔ شاہ محمود صاحب کی اس دینی خدمت کے سبب، بہت حد تک مسلمان تقسیم ہونے سے بچ گئے، مگر امارت والوں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور جواب میں ایک رسالہ شائع کیا جس میں مسلّمہ فقہی اصول سے انحراف کرتے ہوئے پہلی بار تار، خط، اخبار، ٹیلیفون وغیرہ کے استعمال کو جائز قرار دیا۔ شاہ محمود صاحب نے اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی کے مقدمے کے ساتھ ''جامع الاقوال فی رویت الھلال'' نامی کتاب شائع کی، جس میں شاہ بدر الدین پھلواروی، مولانا عبد الحی فرنگی محلی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید سلیمان ندوی، شاہ حبیب الحق عمادی اور جماعت اہل حدیث کے مولانا عبد الخبیر کے سمیت تقریباً ۳۲/ر افراد کے فتاوے شامل ہیں اور سبھی فتاویٰ میں تار، خط، ٹیلیفون اور وائرلیس کے عدم جواز کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح آج سے تقریباً ۵۴ رسال قبل ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں بھی امارت شرعیہ نے بے غیر ثبوت شرعی محض خطوط کی بنیاد پر چاند کی رویت کا اعلان کر کے، ملت اسلامیہ کو محاذ آرائی کا شکار کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں جب اس وقت کی ''پٹنہ چاند کمیٹی'' نے تحقیق کے لئے امارت سے خطوط طلب کئے تو جواب ملا۔

''ہم لوگوں نے دوسروں کی اطلاعات پر اعلان کیا ہے۔ ورنہ امارت کے دفتر میں کوئی خط نہیں آیا ہے اس لئے ہم لوگوں کے پاس کوئی خط نہیں۔''

ملاحظہ کیجئے عظیم آباد پریس پٹنہ سے شائع شدہ پٹنہ چاند کمیٹی کا وضاحتی اشتہار۔

(۳) ۱۹۸۰ء سے کچھ پہلے بھی امارت نے بلا ثبوت شرعی ۲۹ رکی رویت کا اعلان کر کے پھر ایک سانحہ کھڑا کر دیا، اور شرعی ثبوتوں کی بنیاد پر چاند کا اعلان کرنے والے افراد نے اس پر اپنے سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اور نتیجہ کے طور پر اخبار بازی کی سرد جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس کی پوری تفصیل مولانا قیس محمد خان رزاقی نے اپنی کتاب ''عید کا چاند'' میں محفوظ کر دی ہے، اہل ذوق حضرات خدا بخش لائبریری میں محفوظ اس کتاب کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

(۴) آج سے تقریباً ۱۴ رسال قبل عید اضحیٰ کے موقع پر پھر اسی طرح کا نزاعی معاملہ امارت اور ان کے حوار یین کے غیر شرعی طریق کار کی بنیاد پر سامنے آیا۔ جس کے تدارک کے لئے ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے اپنے یہاں تمام مکاتب فکر کے علماء کی نشست بلائی۔ جس میں امارت شرعیہ سے قاضی مجاہد الاسلام اور مفتی نظام الدین قاسمی، ادارۂ شرعیہ سے مفتی عبدالستار رضوی، مولانا غلام رسول بلیاوی اور حافظ غلام جیلانی، امارت اہل حدیث سے جناب مولانا عبدالسمیع جعفری، اہل تشعہ سے جناب اسد رضا اور جمیعۃ علماء ہند کے حسن احمد قادری موجود تھے، جب ادارہ کے وفد نے اس نشست میں امارت شرعیہ اور ان کے حوار یین سے ۲۹ رکی رویت کا ثبوت شرعی طلب کیا تو ان تمام کی جبینیں عرق آلود ہوگئیں۔ مگر کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے۔ امارت اہل حدیث کے امیر جناب عبدالسمیع جعفری صاحب نے انکشاف حقیقت کے بعد اسی نشست میں پر جوش انداز میں یہ اعلان کیا کہ واقعی ہم لوگوں سے ماضی میں غلطیاں ہوئیں۔ اللہ ہمیں معاف کرے! اللہ ہمیں معاف کرے! پھر ادارۂ شرعیہ کے موقف کی تائید میں ۳۰ رکی رویت کا اعتبار کرتے ہوئے عید اضحیٰ کی نماز اور تین دن قربانی کا ایک مسودہ متفقہ طور پر پریس ریلیز کے لئے تیار ہوا، جس پر تمام افراد نے دستخط کئے اور یہ طے پایا کہ اب کوئی جماعت اپنی طرف سے اخبار میں اعلان شائع نہیں کرے گی۔ مگر ؎

خانہ زادے زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبراویں گے کیا

نشست سے باہر آتے ہی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امارت والوں نے اپنی طرف سے یہ اعلان شائع کیا: کہ اتحاد امت کیلئے عید ۳۰ ر کے حساب سے ہوگی اور قربانی صرف دو دن کی جائیگی ــــ امارت کی اس مطلق العنانی نے امت مسلمہ کے جذبہ اتحاد کو مجروح کر دیا اور اس نشست سے اتحاد بین المسلمین کا جو احساس جاگا تھا وہ دفن ہو کر رہ گیا۔ اخبار ''عظیم آباد ایکسپریس'' نے امارت کی اس خودسری پر تنقید کرتے ہوئے ''دین ابراہیمی میں ترمیم کرنے کا حق امارت شرعیہ کو کس نے دیا، کی سرخی تحت سخت مضمون لکھا اور دوسرے ذمہ داروں نے بھی امارت کی مذمت کی ــــ اسی نشست میں ''مرکزی رویت ہلال کمیٹی'' کی

تشکیل کا فیصلہ لے لیا گیا تھا۔مگر امارت کے اس طرز عمل نے اسے ہمیشہ کے لئے التوا میں ڈال دیا۔

ان تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں امارت کے منفی انداز فکر کو دیکھتے ہوئے قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ امارت نے اپنے قیام سے لیکر اب تک ملت کے درمیان اتحاد کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یا افتراق بین المسلمین کا؟

چاند کی رویت وشہادت مذہبی معاملہ ہے کہ اس سے رمضان کے روزے، اعتکاف، شب قدر، عیدین وغیرہ جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کے اعلان میں غایت احتیاط اور کامل تحقیق وشہادت کی ضرورت ہے۔ چوں کہ یہ مسئلہ کسی فرد کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا مسئلہ ہے، اس لئے اسے بازاری افواہ کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ بھی چاند کا اعلان کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ رہنا چاہئے کہ ہمارے غلط اعلان سے امت مسلمہ کے روزے، اعتکاف، شب قدر اور عیدین ضائع ہوں گے اور اس کا سارا وبال ہمارے سر آئے گا۔مگر ۲۰۱۲ء میں بھی امارت شرعیہ، نے افواہ کی بنیاد پر ۲۹ ر تاریخ کو رمضان کے چاند کا اعلان کر دیا اور پھر ایک ہنگامہ شروع ہوگیا جو مکمل مہینہ جاری رہا۔ اس سلسلہ میں امارت شرعیہ سے چاند کی تصدیق یا شرعی ثبوت کی طلب کرنے کے لئے جو کوشش کی گئی وہ اس وقت کے اخبار میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے مگر ۲۱ ر رمضان تک اہل امارت نے صوم سکوت سے کام لیا اور ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے۔

قارئین اندازہ لگائیں کہ امارت شرعیہ کے ذریعہ دی گئی چاند دیکھے جانے کی اطلاع اگر صحیح ہوتی تو وہ ضرور تفصیلی معلومات فراہم کرتے، مگر انہوں نے اسوقت تک کوئی اطلاع نہیں دی۔ جب امارت نے اب بھی اپنی خاموشی نہیں توڑی تو۔ اس مسئلہ پر ۷ ر اگست ۲۰۱۲ء کو مرکزی ادارہ شرعیہ میں علماء وائمہ اور مشائخ عظام کی ایک نشست منعقد ہوئی اور باتفاق رائے یہ فیصلہ لیا گیا کہ اہل سنت وجماعت ۳۰ ر کا اعتبار کرتے ہوئے اعتکاف وشب قدر کا اہتمام کریں، ہاں جن لوگوں کو ثبوت شرعی فراہم ہوگیا ہے وہ اس ثبوت شرعی ملنے کی وجہ سے ۲۹ ر کے اعتبار سے اعتکاف وشب قدر کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

اس اعلان کے بعد جب امارت کو محسوس ہوا کہ اگر ہم نے اپنے عیب پوشی کے لئے کچھ نہیں کیا تو عوام ہمیں نہیں بخشے گی تو انہوں نے ۲۲ ر رمضان کو تمام اخبارات میں اپنا بیان صفائی شائع کرایا جس میں ایک منگوایا ہوا خط اور ایک فون نمبر درج تھا۔ اس بیان صفائی پر میں نے مندرجہ سوالات قائم کرکے اخبارات میں بھیجا مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ کسی اخبار نے بھی ہمارے ان سوالات کو شائع کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی اور اس طرح انہوں نے صحافتی ذمہ داریوں کا خون کیا۔ بالآخر مجھے سات ہزار روپے کا اشتہار دے کر اسے باضابطہ اشتہار کی صورت میں سہارا اردو اخبار پٹنہ میں شائع کرانا پڑا۔ کیا اس سے نہیں لگتا کہ جس طرح بی جے پی نے میڈیا کو ہائی جیک کر رکھا ہے ہمارے اردو اخبارات بھی حق گوئی واظہار رائے میں آزادی کے بجائے کسی خاص طبقہ کی خوشنودی وخوشامد پسندی کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے؟ قارئین ان سوالات کو ملاحظہ کریں اور فیصلہ کریں کیا اس میں کوئی بھی سوال ایسا ہے جو نفس واقعہ سے غیر متعلق ہو؟

۱) یہ ثبوت آپ کو اعلان سے قبل ملا یا بعد

۲) پہلے ملا تو ۲۲ ر دن بے چاری عوام کو پریشان کیوں رکھا؟

۳) بعد میں ملا تو بغیر ثبوت شرعی فراہم ہوئے اعلان کرنے کا جواز کیا ہے؟

۴) اخبار میں شائع خط جس میں نہ خط لکھنے والے کا دستخط ہے اور نہ تاریخ۔۔کیا یہ خط کتاب القاضی الی القاضی کے لئے کافی ہے؟

۵) امارت شرعیہ، اپنی حد بہار جھارکھنڈ اڑیسہ بتا تا ہے، تو انہوں نے اپنی حد سے متجاوز ہو کر میسور میں اپنا قاضی کیسے بنا دیا؟
۶) اور اگر انہوں نے قاضی نہیں بنایا تو میسور کے قاضی کا فیصلہ بہار میں نافذ کرنے کی دلیل کیا ہے؟
۷) بالفرض اگر بنگلور و میسور میں چاند نظر آیا بھی تو امارت پر اس کی شہادت لینا واجب تھا؟
۸) اگر نہیں تو ہزاروں واجبات چھوڑنے کے باوجود مستحب پر عمل کر کے بہار و جھارکھنڈ کے مسلمانوں کو اختلاف کا شکار بنا دینا کیا یہ قومی محبت اور قومی خدمت ہے؟
۹) ادارہ شرعیہ نے اگر بہار و جھارکھنڈ میں ثبوت شرعیہ نہیں ملنے کے سبب، ۳۰ ر کے چاند کا اعلان کیا، تو کیا ادارہ کا یہ اعلان از روئے شرع غلط ہے؟

۵ ر سال بعد پھر امسال ۲۰۱۸ میں امارت نے بہار جھارکھنڈ، بنگال، اڑیسہ اتر پردیش، مہاراشٹر چھتیس گڈھ دہلی وغیرہ کہیں بھی چاند نظر نہیں آنے کے باوجود ۲۹ رکی رویت کا اعلان کر کے امت مسلمہ کو اختلاف و انتشار کی آگ میں جھونک دیا ہے اور اخبارات سے لے کر سوشل میڈیا تک امت مسلمہ کے درمیان پھر سے سرد جنگ شروع ہوگئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب شریعت کا ضابطہ صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ فان غم فاقدروا ثلثین یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر عید کرو، اگر آسمان میں بادل ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو' ہمارے سامنے موجود ہے، پھر کیا ضروری ہوا کہ اپنے قریب کے صوبوں میں چاند نہیں ہونے کے باوجود کرناٹک اور گجرات سے آئی خبر کی بنیاد پر امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی شب قدر کو شبہات کی نذر کرنے کی کوشش کی گئی، امارت کا یہ عمل ایسا ہے جسے خود ان سے فکری و اعتقادی تعلق رکھنے والے علما اور ان کی تنظیموں نے ٹھکرا دیا ہے سوشل میڈیا پہ یہ سارے اعلانات و شواہد موجود ہیں، جس سے آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ امارت کا یہ قدم بقول پروفیسر صفدر امام قادری ''نیوز چینلوں کی طرح، سب سے پہلے ہم نے اعلان کیا،'' کے مترادف ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ جن لوگوں نے واقعی چاند دیکھا یا ان کے یہاں شہادت شرعی گزری انہوں نے اس اعتبار سے روزے رکھے انہوں نے شریعت پر عمل کیا کہ ان کے لئے یہی حکم ہے اور جن کے یہاں نہ رویت ہوئی اور نہ شہادت شرعی گزری ان کے یہاں تیس کے اعتبار سے اعلان ہوا انہوں نے بھی شریعت پر عمل کیا کہ ان کے لئے شریعت مطہرہ کا یہی حکم ہے۔ ہم شریعت سے بالاتر نہیں اس کے پاسدار اور اس کے محافظ ہیں ہاں جن لوگوں نے ہزاروں کیلومیٹر کی دوری سے آئی خبر کو بنیاد بنا کر اپنے آس پاس کے علاقوں میں افراتفری کا ماحول پیدا کیا، لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کیا اور شک کے دن کا ناجائز روزہ رکھوایا وہ ضرور مجرم ہیں اور انہیں اپنے جرم کا اعتراف کرنا چاہئے۔ ناظم امارت کا یہ اخباری بیان بھی ثبوت شرعیہ کے لئے ناکافی ہے کہ امارت کے بھی ایک آدمی نے کرناٹک میں چاند دیکھا۔ کیا اس دیکھنے والے نے رات کے دس بجے آپ کو مطلع کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے؟ جب وہ آپ کا آدمی ہے تو آپ کو اس سے فوراً رابطہ کرنا چاہئے یا پھر اس شخص کو چاند کی اطلاع کے لئے فوراً امارت فون کرنا چاہئے۔ مگر دونوں میں اتنی قربت کے باوجود ۵ رگھنٹہ کا انتظار؟ آخر کیوں؟ پھر جب اتنا بڑا معتمد آدمی وہاں موجود ہے تو شرعی ضابطہ کتاب القاضی الی القاضی سے اغماض و چشم پوشی کیوں؟ اس فریضہ کو انجام دینے کے بجائے محض کچھ اپنے لوگوں کا نام اور ان کا موبائل نمبر اخبار میں شائع کر دینے سے پارسائی ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ منصبی مسئولیت سے گلو خلاصی ہوسکتی ہے۔

یہ بھی عرض کر دیں کہ اس رات آٹھ بجے تک ادارہ شرعیہ کے افراد نے امارت سے رابطہ بنا کر رکھا اور وہاں سے یہی اطلاع ملتی

رہی کہ چاند کی کوئی اطلاع نہیں۔ادارہ نے ہرطرف کا جائزہ لینے کے بعدرات میں آٹھ بجے چاند نہیں ہونے کا اعلان کی تا کہ عشا کی نماز وتراویح کے لئے پریشان حضرات کو عافیت مل سکے مگر ادارہ کے اعلان کے بعد ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت امارت نے چاند ہونے کا اعلان کیا اور اس اعلان کے بعد جب امارت سے شہادت کا مطالبہ ہوا تو ''ابھی وقت نہیں'' کہہ کر ٹال دیا گیا۔ بتایا جائے اس عمل میں امارت شرعیہ کتنا مخلص ہے اور اپنی منصبی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کتنا لا پروا۔کیا امارت والے اس حقیقت کو جھٹلا سکتے ہیں کہ انہوں نے چاند کا اعلان محض ٹیلفون کی خبر کی بنیاد پر کیا ہے شرعی شہادت کی بنیادوں پر نہیں؟ اور کیا ادارہ شرعیہ اور اس سے اتفاق رکھنے والی دیگر خانقاہ اور مدارس کے تعلق سے امارت شرعیہ یہ کہنے کی ہمت کرسکتا ہے کہ چاند کے معاملہ میں ان کا بھی لیا گیا فیصلہ از روئے شرع غلط ہے؟

ہم یہ کہنے میں بھی کوئی خوف وجھجک محسوس نہیں کرتے کہ اگر ہمارے اعتبار سے ۲۸ر رمضان کو عید کا چاند نظر آ گیا یا شہادت شرعیہ گزر گئی تو ہم فخر کے ساتھ ایک روزہ کی قضا کریں گے اور اس کا اعلان کریں گے کہ یہ بھی حکم شرع ہے اور ہم اسی کے متبع وفرماں بردار۔رمضان کے روزہ سے لے کر عید کے چاند تک ہمارے سامنے شریعت ہے اور بس۔ہمیں رب کی خوشنودی چاہئے، ہم دنیاوی واہ واہی کے لئے مسلمانوں کا روزہ، ان کی شب قدر اور ان کی عید خراب کرنے کا گناہ نہیں کرسکتے۔ یہ حوصلہ جن کے اندر ہے انہیں یہ جسارت مبارک۔

بیسویں صدی سے اکیسویں صدی تک یہ کرب پیہم کی داستان اگر بدقسمتی کی داستان ہے، ملت کو اختلاف کے آزار میں مبتلا کردینے والی قیادت کے تنفر بداماں کردار کی داستان ہے، خودنمائی وخودسری اور اصول شکنی کا بار بار مظاہرہ کرنے والی عجوبہ فطرت لیڈر شپ کی داستان ہے، تو کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ملت کے افراد اس کا لقمہ تر بننے کے بجائے اہل حق کی اس جماعت سے اپنا قلبی، فکری اور عملی رشتہ استوار کریں، جو تمام معاملات ومسائل میں شرعی اصول اور اسلامی قوانین کو اپنے پیش نظر رکھتی ہے۔

اتحاد اتحاد کا نعرہ لگانے والے افراد اختلاف پیدا کرنے والے مجرموں کو پہچانے، شرعی ضابطوں کے ساتھ مذاق کرنے والے افراد کو پکڑیں اور محض مبہم صدائے احتجاج بلند کرنے کے بجائے، حدیث پاک ''من رای منکم منکر اًفلیغیرہ بیدہ فالم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان کی عملی تصویر بنیں

ع   ایں نکتہ راشناسد آں دل کہ دردمند است

☆☆☆☆
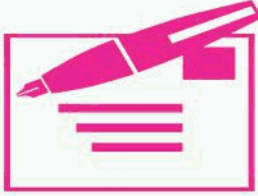
تاثرات

قارئین کے تاثرات

خانقاہ ابدالیہ سے متعلق معلوماتی شمارہ

مفتی محمد حسن رضا نوری:
صدر مفتی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

مکرمی ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا انٹرنیشنل کا خصوصی شمارہ جلوہ بار ہوا اور صمیم قلب سے آپ کے دعائیں نکلیں۔ آپ نے الرضا کے ذریعہ سنی صحیح العقیدہ عوام وخواص کے حوصلوں کی جلا بخشی ہے اور اہل ہوا نو پید بیماران صلح کلیت کو آتش زیر پا کیا ہے۔ الرضا حق کی آواز اور رضویت کا سچا ترجمان ہے بایں وجہ الرضا نے مختصر عمر میں بین القوامی شہرت حاصل کرلی اور عالم اسلام میں نمایاں مقام بنایا۔

زیر نظر شمارہ قابل تحسین وتبریک ہے آپ کے اس اقدام سے خانقاہ اور علما کے روابط میں اضافہ ہوگا۔ بہار میں اہل سنت وجماعت کے عقائد ونظریات کی حامل خانقاہوں اور امام احمد رضا قدس سرہ کے درمیان جو روابط رہے ہیں اسے گاہے گاہے منظر عام پہ لاتے رہنے کی ضرورت ہے۔ خانقاہ ابدالیہ کے متعلق آپ کے تازہ شمارہ سے معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ الھم زد فزد۔ دعا ہے رب العزت الرضا کو مزید شہرت وتوانائی بخشے آمین۔

الرضا کا خصوصی شمارہ قابل مبارک باد

مولانا مفتی محمد صابر رضا محب القادری
القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ۔ ۶

جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''الرضا انٹرنیشنل'' مارچ اپریل کا تازہ شمارہ پیش نظر ہے۔ شیخ المشائخ حضرت صوفی سید شاہ مولانا محمد ایوب ابدالی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۸۷ھ) کی حیات وخدمات پر یہ خاص شمارہ نہایت معلوماتی اہمیت اور افادیت کے حامل ہے۔ اسلاف شناسی اور خانقاہوں کے باہم تعلقات وروابط کے اظہار پر مبنی ایسے خاص شماروں کی اشاعت قابل تحسین اقدام ہے۔ جو جذبۂ صادق اور خلوص نیت کے تحت اپنے قیمتی امانتوں کے تحفظ کا مزاج دیتا ہے۔

الرضا جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے یہ رسالہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات بابرکت سے منسوب ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ذکر ان کے معاصر علما ومشائخ کے ذکر کے بغیر نا کافی ہے۔ کما حقہٗ ان کی ذات اور خدمات کے ادراک کے لیے ضروری ہے کہ مسلک ومنہج سے منسلک اکابر کا بھی ذکر ہو اور ان پر بھی تبصرہ کیا جائے۔ تا کہ امت مسلمہ کو ان کے باہم تعلقات فکری اعتقادی یکسانیت کا پتہ چلے اور اعتقادی نظریاتی اعتبار سے ایکجہتی کے ساتھ ایک مرکز اور محور پر جمع ہوں۔ اور آپسی خلش کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

زیر نظر شمارہ انہیں پاک جذبات کی ایک کڑی ہے۔ جو خانقاہ صوفیہ کے شیخ طریقت حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ سے منسوب ہے۔ کاروان الرضا خاص کر حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ کے نیک نیتی پر مبنی کاوشوں کا یہ ایک حسین

گلدستہ ہے جو گلہائے رنگارنگ تفقہ فی الدین تصوف، عقائد ونظریات، حضرت شاہ صاحب کے حیات وخدمات، ان کے ملفوظات، عشق وعرفان سے لبریز شاعری اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت سے دیرینہ تعلقات کے جواہر پاروں سے مملو ہے۔ جو ایک باذوق قاری کو تسکین قلب کا سامان فراہم کرتا ہے۔

شمارے میں اداریہ اور ابتدائیہ کے علاوہ چھ ابواب ہیں۔ ایڈیٹر کے قلم سے اداریہ بہت مختصر لیکن اس قدر جامع کہ پورے شمارے کا نچوڑ اس میں موجود ہے۔ ابتدائیہ حضرت سید شاہ شہاب الدین ابدالی صاحب کے قلم سے بہت خوبصورت اور قلب وروح کو متاثر کرنے والی تحریر ہے۔ تاثرات کے باب میں سید تاج الدین اشرف ابدالی جو اسی خانوادے کے ایک فرد ہیں ان کے علاوہ فقیہ النفس مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی قبلہ اور خطیب الہند حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسن رضا خاں صاحب کے تاثرات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

مفتی صاحب کا یہ مشورہ بہت پسند آیا ''کوشش کیجئے کہ ایک ایک کر کے پہلے کم سے کم بہار ہی کی خانقاہوں پر نمبرات نکالیں پھر یہ سلسلہ آگے بڑھ کر پورے ملک کو دراز ہو جائے۔'' اس کے بعد ہی خانقاہوں کی عظمت اور علماء ومشائخ کے نیاز مندانہ مراسم اور ماضی کے جن احوال کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے اس پر غور کرنے سے ماضی میں اکابر اور خانقاہوں کے درمیان کوئی ایسی چپقلش نہیں ملتی جس کا رونا آج رویا جائے۔ آج جو اختلافات دیکھنے کو مل رہے ہیں یہ سب آج ہی کے پیداوار ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ جو میری فہم ناقص میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں اَنا خود غرضی، خود پرستی کا جرثومہ نہیں تھا اور آج اس کی بہتات ہے۔

مفتی صاحب نے فرمایا ''اعلیٰ حضرت کو جب مجدد کا لقب دیا گیا تو بہار کی تمام قابل ذکر خانقاہ کی تائید ونصرت حاصل تھی اور امام احمد رضا نے بھی اپنے قصیدے میں ان تمام کا خطبہ پڑھا اور دوسرا یہ کہ امام احمد رضا کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک عالم کا رخ دوسرا صوفی کا رخ اس پر مفتی صاحب نے محققانہ استدلال فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کا ایک اقتباس بھی نقل فرمایا ہے۔ جو قابل مطالعہ ہے۔ جس سے اعلیٰ حضرت کی زندگی کے دونوں رخ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اور آج ہمیں یہ دونوں رخ دیکھنے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ باہمی مصالحت اور اتفاق کی راہیں ہموار ہوں۔ اور اعلیٰ حضرت کی زندگی کے ہر پہلو سے میکدۂ عشق وعرفان کے طلب گار مستفیض ہو سکے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسن رضا خاں صاحب نے بھی اپنے مکتوب میں خانقاہ صوفیہ اور خانقاہ بریلی کے مراسم کو اجاگر فرمایا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی اس کوشش کو محمود قرار دیا ہے۔

عرفان شخصیت کے کالم میں حضرت شاہ صاحب کے احوال وآثار دینی خدمات اور کارنامے کے حوالے سے بڑے قابل قدر علماء ومشائخ اور دانشور حضرات کے مضامین شامل ہیں ڈاکٹر ولی اللہ ابدالی، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، ذکی احمد ہاشمی ایوبی، ڈاکٹر سید شاہ مظفر الدین بلخی، ڈاکٹر یحییٰ ابدالی، ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، مولانا تحسین رضا فیضی، سید شاہ ریان ابوالعلائی، سید شاہ ابصار الدین بلخی فردوسی، ان تمام نے اپنے اپنے عنوان کے تحت حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تبصرہ فرمایا جو قارئین بالعموم امت مسلمہ اور بالخصوص سلسلہ ابدالیہ کے مریدین ومعتقدین کے لیے معلومات کا ایک ذخیرہ فراہم کرتا ہے۔

عرفان شعر وتصوف کے باب میں سید شاہ طیب ابدالی، پروفیسر ابوعبیدہ ابدالی، ڈاکٹر فرحانہ شاہین، مولانا محمد قمر الزماں مصباحی صاحب کے مضامین تصوف اور شعر وادب کے حوالے سے بزم صوفیہ وشعراء میں ان کا نمایاں مقام اور ان کی متصوفانہ شاعری کے اسرار ورموز کی وضاحت کرتا ہے۔

جلوۂ علم وعرفان کے تناظر میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب نجم القادری اور مولانا مفتی غلام سرور مصباحی صاحبان کے مضامین ''عقائد شرفی'' کے حوالے سے ہے۔ دراصل یہ کتاب حضرت

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ جو اعلیٰ حضرت کے خاص ممدوح ہیں۔ صاحب تذکرہ اس کتاب کے مترجم اور محشی ہیں۔ اس کتاب میں ان اسلامی عقائد ونظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو اس دور فتن میں ملت اسلامیہ کے لیے مشعل راہ قندیل ہدایت ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد حضرت مخدوم جہاں کے ساتھ امام احمد رضا اور صاحب تذکرہ حضرت شاہ صاحب کے عقائد ونظریات روز روشن کی عیاں ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہوگا کہ حضرت مخدوم جہاں سے امام احمد رضا کا ایک قدیم روحانی ایمانی رشتہ رہا ہے۔ اس پر رسالہ ''حجب العوار'' اور حضرت مخدوم جہاں کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی اور امام احمد رضا کے مابین والہانہ تعلقات شاہد ہیں۔

ڈاکٹر محمد ممتاز عالم رضوی صاحب کا مضمون شاہ ایوب ابدالی ذکر وفکر کے تناظر میں بہت خوب ہے دراصل ذکر وفکر حضرت شاہ صاحب کی ایک کتاب ہے۔ جس میں درجنوں سلاسل کے بزرگوں کے اذکار وافکار واعمال واشغال کا تذکرہ موجود ہے۔ ذکر وفکر طمانیت قلب کا باعث ہے۔ ویسے حضرت شاہ صاحب کی زندگی کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو اس خصوصی شمارے سے سمجھ میں آئے گا کہ حضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ذکر وفکر کثرت عبادت سے عبارت تھی۔ حضرت شاہ صاحب کی کتاب ''احسان وسلوک'' پر حضرت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کا معنیٰ خیز تبصرہ کتاب کی اہمیت سے قارئین کو روشناس کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب میں شریعت طریقت اور بیعت ارشاد کی اہمیت پر تفصیلی بحث فرمائی۔ اسی کالم میں ایک مضمون عزیزی عفان رضا ابن ڈاکٹر امجد رضا امجد کا عصری تقاضوں کے پیش نظر انگریزی زبان میں شامل ہے جو بہت ہی مفید ہے۔

تجلیات، مناقب کے باب میں ڈاکٹر سید شمیم گوہر، وارث اسلامپوری، مظفر ابدالی نے حضرت شاہ صاحب کی بارگاہ میں عقیدتوں کا منظوم خراج پیش کیا ہے۔ اخیر میں تبرکا حضرت کی تحریروں کا خوبصورت عکس دل ونظر کو ضیا بخش رہے ہیں۔

المختصر الرضا کا یہ شمارہ اپنی گونا گوں خوبیوں سے مرصع دستاویزی تاریخی حیثیت کا حامل ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ الرضا صرف خانقاہ اعلیٰ حضرت نہیں بلکہ برصغیر کے تمام علمی فکری، سنی خانقاہوں کی نمائندگی کرتا نظر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر ثبات عطا فرمائے۔

الرضا کا خصوصی شمارہ

سلسلہ ابدالیہ ورضویہ کے رشتہ کا آئینہ

■ ٹی ایم ضیاء الحق دہلی، جامعہ نگر اوکھلا دہلی

جناب مفتی ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ صاحب
مدیر اعلی دو ماہی الرضا انٹرنیشنل
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرے سامنے الرضا انٹرنیشنل کا خصوصی شمارہ جو حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ سے منسوب ہے موجود ہے۔ میں حیرت میں ہوں کہ آپ نے یہ معرکہ کیسے سر کیا۔ الرضا کا یہ شمارہ کئی اعتبار سے میرے لئے اہمیت کا باعث ہے مگر میں سب سے پہلے آپ کو اس پیش کش پہ بہت بہت مبارک پیش کروں کہ واقعی یہ شمارہ اپنے آپ میں ایک تاریخی دستاویز ہے جسے ابدالیہ سلسلہ میں خصوصا ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

یہ جذبہ بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ کسی سلسلہ سے وابستہ ہونے کے باوجود کسی دوسرے سلسلہ والے پر کچھ لکھیں نمبر شائع کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ مگر آپ نے اس طرح کا ذہن رکھنے والے افراد کو آئینہ دکھایا ہے کہ شخصیتیں جہاں بھی ہوں وہ سلسلہ میں قید نہیں رہتیں اور نہ انہیں رکھا جانا چاہئے۔ آپ نے اس نمبر کا سلسلہ ابدالیہ اور سلسلہ رضویہ سے جوڑ کر ایسا گل دستہ بنا دیا ہے کہ دونوں کے درمیان رابطہ ثابت

ہو گیا ہے۔

اس شمارہ میں جتنے مضامین ہیں سب اہمیت کے حامل ہیں سبھوں نے خانہ پری کے بجائے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ بالخصوص آپ کا مقالہ تو دونوں سلسلہ میں رابطہ کے حوالہ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

میں نے رازی بھائی کو بھی اس شمارہ کے حوالہ سے مبارک باد دی کہ انہوں نے اتنا اچھا عمدہ اور معیاری کام آپ سے لے لیا۔ اس شمارہ میں مفتی صاحب کا مکتوب بھی ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے کہ خانقاہوں پہ الرضا کے خصوصی شمارہ شائع ہونے چاہئیں مجھے امید ان کے اس پیغام کو آپ اپنے سامنے رکھیں گے تا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے حوالہ سے خانقاہوں میں بھی وہی جذبہ سوچ اور فکر پروان چڑھ سکے جو ایک صدی قبل خانقاہوں میں دیکھی جا رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنتیں اور آپ کے نیک جذبہ کو سلامت رکھے اور اس کا بھرپور صلہ آپ کو عطا فرمائے۔ دہلی میں آپ اور آپ کے رسالہ الرضا کے چرچہ ہمیشہ رہتے ہیں یعنی میں دور رہ کر بھی آپ سے قریب ہوں۔ میرے لئے بھی دعا کرتے رہیں۔ اللہ حافظ

□□□
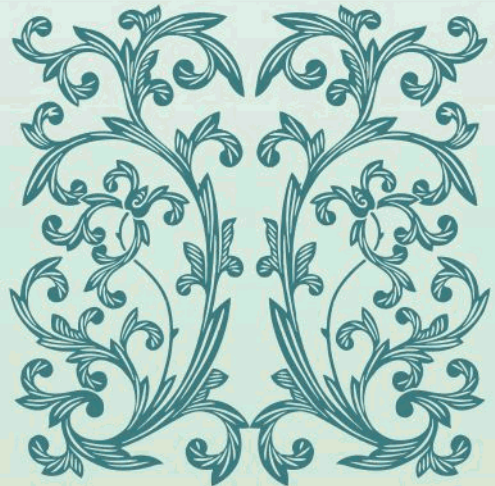
والدین: دنیا کی عظیم نعمت۔۔۔ کا بقیہ

* والدین کی رضا جنت میں جانے کا سبب *

ایک صحابی ہیں جن کا نام نامی حضرت ابوامامہ ہے (رضی اللہ عنہ) انہوں نے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ علیک السلام والدین کا اولاد پر کیا حق ہے۔ فرمایا کہ وہ دونوں (والدین) تیری جنت و دوزخ ہیں۔ یعنی جو لوگ ان کو راضی رکھیں گے جنت پائیں گے اور جو ناراض تو وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے (ابن ماجہ)

یہ بات بھی حدیث پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جو شخص والدین کا فرمانبردار ہے وہ دوزخی نہ ہوگا اور جو نافرمان ہے گرفتار بلا وعذاب ہوگا۔ جنت کی خوشبو اسے میسر نہیں جو والدین کا نافرمان ہے

مذکورہ بالا حدیث پاک سے ہمیں یہ درس ملا جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کا سبب خدمت والدین ہے۔ والدین کی خدمت میں ہمارے لئے دونوں جہاں کی بھلائی مضمر ہے۔ ان کی خدمت واطاعت جہاد کے ثواب سے بالاتر ہے۔

ہمیں ہر وقت اور ہر لمحہ والدین کی راحت رسانی کی فکر کرنی چاہیے۔ ان کی خدمت کر کے نجات اخروی کا سامان پیدا کرنا چاہئے اور پروردگار کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا چاہئے کہ اے اللہ ان کی پوری راحت رسانی تو میرے بس کی بات نہیں تو ہی اپنے فضل وکرم سے ان کے تمام طرح کے مشکلات کو دور فرما اور ان کی مغفرت وبخشش اور بلندئی درجات عطا فرما

رب اغفرلی و لوالدیی وللمومنین یوم یقوم الحساب

۞۞۞

شاہ اسماعیل دہلوی
اور مسئلہ تکفیر و کف لسان: تحقیقی جائزہ

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی: بانی جامعہ نوریہ شام پور

شاہ اسمٰعیل دہلی کے عقائد و نظریات جو ان کی کتابوں (تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، رسالہ یک روزی وغیرہ) میں مرقوم ہیں اور جن کی بنیاد پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے ان کی تکفیر کی تاریخ کا وہ پہلو ہے جسے اب تک فراموش نہیں کیا جا سکا اور نہ فراموش کرنا ممکن ہے۔ چودہویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے شاہ اسمٰعیل دہلوی کے حوالہ سے ستر وجوہ سے کفر دکھانے کے باوجود کفر کلامی سے کف لسان کیا۔ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اہل علم کے نزدیک دونوں باتوں میں شرعی اعتبار سے کوئی تضاد نہیں اور نہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے یہ چیستاں ہے۔ فقاہت سے عاری افراد سے لے کر چند اردو کتابوں کے پڑھ کر اور مختلف کتابوں کے اقتباسات کو اکٹھا کر کے بقلم خویش مضمون نگار بننے والے افراد نے اپنے مکروہ جذبات کی تسکین کے لئے اس موضوع کو اتنا چھیڑا کہ ان کی نگاہوں کا تضاد، تنازع کی صورت اختیار کر گیا۔ پھر یہ ہوا کہ کالج سے وابستہ افراد نے بھی بڑی آسانی سے اس موضوع کو اپنا تکیہ کلام بنالیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں نے استاذ گرامی حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب سے گزارش کی کہ اس موضوع پر کوئی ایسا مقالہ قلم بند فرما دیں جس سے بیمار ذہنوں کو تسکین مل جائے اور یہ وقت کا سلگتا ہوا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے۔ الحمد للہ! حضرت مفتی صاحب نے مسئلہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس خاکسار کی گزارش پہ ایک مقالہ قلم بند فرما دیا جو مرکزی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ کے ترجمان سہ ماہی رفاقت میں شائع ہوا اب وہ مقالہ مفتی صاحب کی نظر ثانی کے بعد الرضا کے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ جو لوگ سراوی فکر سے متاثر ہیں یا فیس بک کے غازی حضرات اپنے ناقص مطالعہ کو کامل سمجھ کر نوجوان ذہنوں پہ شب خوں مارنے کی کوششیں کر رہے ہیں وہ دیانت داری کے ساتھ اس مقالہ کا مطالعہ فرمائیں پھر بھی کوئی خلش باقی رہے تو الرضا کے صفحات ان کے لئے حاضر ہیں وہ مودبانہ اپنی گزارشات و خدشات پیش کریں انشاء اللہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمارا مقصود محض جواب نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار، جماعتی فکر کا تحفظ، مسلک اہل سنت و جماعت کا فروغ اور کشمکش میں مبتلا حضرات کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے۔ یہی الرضا کا مشن ہے اور ان شاء اللہ یہ اپنی آخری سانس تک اس روش پہ قائم رہے گا۔ امجد رضا امجدؔ

لفظ میں ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہو تو اس صلاحیت، یعنی 'زیادہ معنی ہو سکنے' کو احتمال اور اس لفظ کو محتمل کہتے ہیں۔ جیسے: لفظ 'زندہ' میں ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہے:

(الف) ذاتی طور پر زندہ۔

(ب) عطائی طور پر زندہ۔

یعنی لفظ 'زندہ' کے معنی، جس طرح ذاتی طور پر زندہ، یعنی خدائے تعالیٰ پر صادق آتے ہیں۔ اسی طرح عطائی طور پر زندہ، یعنی بندوں پر بھی صادق آتے ہیں۔ تو لفظ 'زندہ' کے اندر ایک

سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہوئی اور یہ لفظ ایک سے زیادہ معنی کا محتمل ہوا۔

اور ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت نہ ہوتو وہ **متعین المعنی اور مفسر** ہوتا ہے ــــــ لفظ کے متعین المعنی ہونے کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔

(الف) لفظ ہی میں دوسرے معنی کی صلاحیت نہ ہو، جیسے ''دس'' کے معنی نو سے اوپر گیارہ سے نیچے کا عدد ہے، اس میں دوسرے معنی کی صلاحت ہی نہیں ہے۔

(ب) لفظ میں دوسرے معنی کی صلاحیت ہو مگر متکلم خود بتادے کہ میری مراد یہ معنی ہے، جیسے: ہندوستان میں کوئی ہندوستانی آدمی، دوسرے ہندوستانی آدمی کے لیے اقرار کرے کہ: وہ مجھ سے ایک سو''روپے'' پاتا ہے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ سو روپے''نیپال'' کے یا سو روپے''بنگلہ دیش'' کے مراد ہوں۔ لیکن اگر''ہندوستان کے روپے'' کہہ دیا، تو اب''نیپال کے روپے'' یا''بنگلہ دیش کے روپے'' ہونے کی صلاحیت نہیں رہی، ''ہندوستان کے روپے'' متعین ہو گئے۔

(ج) جس معنی کا احتمال تھا وہ، نہ بتا کر کچھ اور بتا رہا ہے جیسے: کوئی کہے کہ زید''میرا بیٹا ہے'' تو اس میں احتمال ہے کہ بیٹے سے مراد''پیارا'' ہو، لیکن وہ بتائے کہ بیٹے سے میری مراد ''دشمن'' ہے تو متعین ہو جائے گا کہ جو معنی متبادر یا ظاہر ہے، وہی مراد ہے۔

التفرقہ بین الایمان و الزندقہ ص ۱۱ میں ہے:

ولا بد من التنبیہ علی قاعدۃ اخری و ھذان المخاطب قد یخالف فصا متواترا بزعم انہ مؤل ولکن ذکر تاویلا لا انقداح لہ اصلا فی اللسان لا علی قرب و لا علی بعد فذلک کفر و صاحبہ مکذب و ان کان یزعم انہ مؤل (ترجمہ) اس قاعدہ سے آگاہی ضروری ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مخاطب کبھی منصوص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ''ماول'' ہے لیکن ایسی تاویل بیان کرتا ہے جسے زبان و ادب سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ نہ تو علاقہ قریب اور نہ ہی علاقۂ بعید، یہ کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اگر چہ اپنے آپ کو ماول سمجھ رہا ہو۔

(د) پوچھے جانے پر سکوت اختیار کر لیتا ہے، تو بھی مان لیا جائے گا کہ اس کی مراد معنی متبادر ظاہر و نص ہی ہے۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ص ۱۰۴ میں ہے:

لو لم یصدق لوجوب الصلوۃ و حرمۃ الخمر عند السوال کان کافرا۔ ترجمہ: پوچھے جانے پر نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کی تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا۔

پھر صلاحیت کبھی قوت و ضعف میں برابر ہوتی ہے اور کبھی کم و بیش۔ جب برابر ہو، تو لفظ کو محتمل متساوی المعنی کہتے ہیں۔ جیسے: لفظ 'زندہ' کا استعمال دونوں معنوں میں برابر ہے، تو لفظ 'زندہ' محتمل متساوی المعنی ہوا۔

اور کم و بیش ہو، تو جس معنی کی صلاحیت کم ہو، اس معنی کے لیے وہ لفظ محتمل مرجوح المعنی، اور جس معنی کی صلاحیت زیادہ ہو، اس معنی کے لیے وہ لفظ محتمل راجح المعنی ہے، جیسے: فارسی زبان میں خدا کی نسبت سے لفظ 'پیش'، مستعمل ہو، تو لفظ 'پیش' محتمل مرجوح المعنی میں مستعمل کہلائے گا، اور بندوں کی نسبت سے مستعمل ہو، تو محتمل راجح المعنی میں استعمال ہوگا۔

پھر رجحان کے ساتھ تبادر بھی ہو تو اگر معنی مرجوح و غیر متبادر میں مستعمل ہو، تو موہم کہلاتا ہے۔ جیسے: 'میں مومن ہوں ان شاء اللہ' کہنا۔

اور لفظ محتمل کا کوئی معنی متبین ہو تو اس معنی کے لیے وہ ظاہر، کہلاتا ہے۔ اور متبین کے ساتھ اسی مقصد کے لیے سوق کلام بھی ہو تو نص۔

احتمال جس طرح **عن دلیل** ہوتا ہے۔ اسی طرح **بلا دلیل** بھی۔ اور کبھی تو **خلاف دلیل** پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، مگر وہ

حقیقتاً احتمال نہیں ہوتا ہے۔

احتمال عن دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے معنی کی صلاحیت پر بھی کوئی دلیل موجود ہو جیسے: ثلٰثة قروئ میں احناف قروء سے 'حیض' مراد لیتے ہیں، مگر 'طہر' مراد ہونے کی بھی صلاحیت ہے اور اس صلاحیت پر دلیل بھی موجود ہے جس کی بنا پر امام شافعی اس کے قائل ہیں، جیسا کہ اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ احتمال عن دلیل کو احتمال قریب بھی کہتے ہیں۔

احتمال بلا دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پہلو کی صلاحیت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو جیسے: کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تمھیں 'طلاق دی' تو اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے طلاق عن النکاح ہی سمجھا جائے گا، مگر اس میں طلاق عن الوثاق کی بھی صلاحیت ہے۔ ہاں! اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ احتمال بلا دلیل کو احتمال بعید بھی کہتے ہیں۔

احتمال خلاف دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا پہلو نہ ہونے پر دلیل موجود ہو، پھر بھی زبردستی دوسرے پہلو کی بات کی جارہی ہو، جیسے آیت کریمہ: ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (محمد اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں) میں 'خاتم النبیین' کے معنی 'آخری نبی' ہی ہیں۔ دوسرے معنی مراد نہ ہونے پر احادیث متواترہ اور اجماع امت قائم ہے۔ پھر بھی زبردستی یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے اس کے معنی 'بالذات نبی' ہوں۔ احتمال خلاف دلیل کو احتمال متعذر بھی کہتے ہیں۔

جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت پر احتمال عن دلیل یعنی احتمال قریب ہو، وہ ظنی ہوتا ہے۔ جیسے قروئ کے معنی حیض ہونا ظنی ہے۔

فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۶ کے حاشیہ میں ہے:۔

اما الناشی عن دلیل فیجعله ظنا۔

(ترجمہ) جس اذعان میں دوسرے معنی کا احتمال ناشی عن دلیل ہو وہ ظنی ہوگا۔

اور جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت پر احتمال بلا دلیل یعنی احتمال بعید ہو، وہ یقینی بالمعنی الاعم ہوتا ہے یعنی فقہائے کرام اسے یقینی کہتے ہیں جیسے: میں نے تم کو 'طلاق' دی میں 'طلاق' کے معنی، طلاق عن النکاح ہونا، یقینی بالمعنی الاعم ہے۔ اور اسی کو وہ صریح کہتے ہیں۔

فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۶ کے حاشیہ میں ہے:

وان احتمل احتمالا ناشیا لا عن دلیل کامکان ان یکون الذی نراہ زیدا جنّیا تشکل بشکله فبالمعنی الاعم و مثل هذا الاحتمال لا نظر الیه اصلا و لا ینزل العلم عن درجة الیقین۔ (ترجمہ) خلاف کا احتمال بلا دلیل ہو، جیسے: یہ امکان کہ جس شخص کو ہم زید کی شکل میں دیکھ رہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ دراصل زید نہ ہو، بلکہ جن ہو، جو زید کی شکل میں متشکل ہوکر آ گیا ہو، تو یہ اعتقاد یقین بالمعنی الاعم کہلاتا ہے۔ ایسے احتمال کا لحاظ نہیں ہوتا ہے، اور وہ یقین بالمعنی الاعم کا منافی نہیں۔

توضیح ص ۲۴۷ میں ہے:

اعلم انّ العلما یستعملون العلم القطعی فی معنیین۔۔۔۔۔ والثانی مایقطع الاحتمال الناشی عن الدلیل کالظاهر والنص والخبر المشهور۔ (ترجمہ) اہل علم کے نزدیک علم قطعی کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ (۲) جس میں اس کے خلاف کا احتمال عن دلیل نہ ہو جیسے ظاہر و نص اور خبر مشہور۔

نور الانوار ص ۹۰ میں ہے:

حکم النص وجوب العمل بالمعنی الذی وضح منه مع احتمال تاویل فی معنی المجاز وهٰذا التاویل قد یکون فی ضمن التخصیص بان یکون عاما یحتمل التخصیص وقد یکون فی ضمن غیرہ بان یکون حقیقة

تحتمل المجاز۔۔۔۔۔۔۔ ولما احتمل هذا الاحتمال النص کان الظاهر الذی هو دونه اولیٰ بان یحتمله۔ ولٰکن مثل هٰذه الاحتمالات لاتضر بالقطعیة۔

(ترجمہ) نص کا حکم یہ ہے کہ اس کے معنیٰ واضح کے مطابق عمل لازم ہوگا، البتہ تاویل کا احتمال رہے گا۔ اب اگر لفظ ایسا عام ہے جو احتمالِ تخصیص رکھتا ہے تو تاویل، تخصیص کے ضمن میں ہوگی، اور لفظ حقیقت ہے تو تاویل، مجاز کے ضمن میں ہوگی۔ پھر جب احتمال بلا دلیل نص میں رہتا ہے تو ظاہر میں بدرجۂ اولیٰ رہے گا، مگر یہ احتمال ظاہر و نص کے قطعی ہونے کا منافی نہیں۔

اور جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت ہی نہ ہو، وہ یقینی بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔ متکلمین عظام بھی اسے یقینی کہتے ہیں، جیسے 'خاتم النبیین' کے معنیٰ 'آخری نبی' ہونا یقینی بالمعنی الاخص ہے۔ اسی کو وہ حضرات صریح مانتے ہیں۔

فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۶ کے حاشیہ میں ہے:

اذا اذعنا بشئی فان لم یحتمل خلافه اصلا کوحدانیة الله تعالیٰ وحقانیة محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیقین بالمعنی الاخص۔ (ترجمہ) کسی چیز کا ایسا اعتقاد ہو کہ اس کے خلاف کا احتمال بالکل نہ ہو، جیسے: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت کا اعتقاد، تو یہ اعتقاد یقین بالمعنی الاخص کہلاتا ہے۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۷۷ ۳ میں ہے:

والمراد بالقطع المعنی الاخص وهو مالا یحتمل النقیض ولو احتمالا بعیدا ولو غیر ناش عن الدلیل۔ (ترجمہ) یقین بالمعنی الاخص وہ ہے جس میں معنیٰ خلاف کا احتمال بعید یعنی بلا دلیل بھی نہ ہو۔

اسی کے ص ۱۹ میں ہے:

عدم احتمال الانصراف ولو مرجوحاً و هو الیقین بالمعنی الاخص وهو المراد فی الاعتقادیات۔ (ترجمہ) خلاف کا احتمال مرجوح بھی نہ ہو تو یقین بالمعنی الاخص ہے اور اعتقادیات میں یہی یقین درکار ہے۔

پھر احتمال کبھی کلام، یعنی بولی میں ہوتا ہے ـــ کبھی تکلّم یعنی بولنے میں ہوتا ہے ـــ اور کبھی متکلّم یعنی بولنے والے میں ہوتا ہے۔ تو محل کے اعتبار سے اس کے تحقّق کی تین صورتیں ہوئیں

(۱) کلام میں احتمال

(۲) تکلّم میں احتمال

(۳) متکلّم میں احتمال۔

☆ کلام میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ اثبات ودلالت یعنی معنی میں احتمال ہو جیسے لفظ قروء میں حیض۔یا۔طہر کا احتمال۔

☆ تکلّم میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ اسناد وثبوت میں احتمال ہو جیسے یہ احتمال کہ ممکن ہے روایت کرنے میں راوی کی طرف سے کوئی لفظ کم یا زیادہ ہو گیا ہو۔

☆ متکلّم میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ متکلّم کے حالات وکیفیات میں احتمال ہو جیسے یہ احتمال کہ ممکن ہے متکلم نے اپنی بات سے رجوع کر لیا ہو۔

جو الفاظ کفری معنی کے لیے ظاہر یا نص ہوں فقہائے کرام کے نزدیک ان کا استعمال کفر یقینی ہے؛ کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک، یعنی فقہیات میں یقین بالمعنی الاعم بھی کافی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ فقہا احتمال بلا دلیل کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔

فواتح الرحموت میں ۲۳۸ ہے:

المعنی الاعم وهو الذی لایحتمل المقابل احتمالا ناشیا عن دلیل وبعد التبادر فاحتمال

عدم الارادۃ کاحتمال التاویل فی النص فلااعتدادبہ۔ (ترجمہ) یقین بالمعنی الاعم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں برخلاف معنی کا احتمال عن دلیل نہ ہوتو معنیٰ ظاہر مراد نہ ہونے کا احتمال قابل قبول نہیں۔

مگر متکلمین توقف کرتے ہیں کیونکہ متکلمین کے نزدیک ،یعنی اعتقادیات میں یقین بالمعنی الاخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ متکلمین تکفیر سے احتراز کے لیے احتمال بعید و بلا دلیل کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔

مسامرہ ص ۳۲ میں ابن دقیق العبد کے حوالہ سے ہے:

یقبل التاویل اذا کان المعنی الذی اول بہ قریبامفھوم امن تخاطب العرب ویتوقف فیہ اذا کان بعیدا۔ (ترجمہ) تاویل کردہ معنی زبان وادب کے محاورہ سے قریب ہوتو تاویل مقبول ہوگی، بعید ہوتو توقف کیا جائے گا۔

فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۱ میں ہے:

لایکفی فی الکفر بالانکار ان یقول لہ شخص او اشخاص لم یبلغوا اعدد التواتر ھذ او اجب او حلال او حرام بل لا بدان یتواتر عندہ ذالک۔ (ترجمہ) ایک شخص یاعدد تواتر سے کم چند اشخاص ہی کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر کے لئے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے۔

حاشیہ نشاط السکین ص ۱۳۷ میں ہے:

شرک امر عظیم ہے کسی کلمہ گو کی طرف اس کی نسبت کرنے کو یقین قطعی درکار۔۔۔۔۔۔۔ اور حصول یقین کے دو ہی طریقے۔ یا تو کسی کی زبان سے خود اس کا اقرار سنیں۔۔۔۔۔۔۔ یا بذریعہ تواتر قطعی، نہ افواہِ بازاری، اس کا علم آیا ہو۔

ردالمحتار ج ۶ ص ۲۷۱ مطبوعہ دیوبند میں ہے:

وفی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم فلااجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایۃ انہ لایکفر۔ اھ (ترجمہ) فتاوی صغریٰ میں ہے کہ کفر بہت بھاری چیز ہے اس لیے مسلمان کو کفر سے بچانے والی کوئی بھی روایت مل جاتی ہے تو میں تکفیر نہیں کرتا ہوں۔

بحر الرائق ج ۵ ص ۲۱۰ مطبوعہ دیوبند میں تاتارخانیہ کے حوالہ سے ہے:

قولہ بالمحتمل لان الکفر نھایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نھایۃ فی الجنایۃ ومع الاحتمال لانھایۃ۔ اھ (ترجمہ) احتمال کی صورت میں تکفیر نہیں ہوسکتی کیونکہ تکفیر انتہادرجہ کی سزا ہے جو انتہادرجہ کے جرم ہی پر دی جاسکتی ہے؛ اور احتمال کی موجودگی میں جرم کو انتہادرجہ کا نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ وغیرہ کے حوالہ سے ہے:

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم۔ (ترجمہ) کسی مسلمان کے کلام میں متعدد پہلو موجب تکفیر ہوں اور ایک پہلو مانع تکفیر ہو، تو مفتی پر لازم ہے کہ مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے جس پہلو پر تکفیر نہ ہوتی ہو، اسی پہلو کو اختیار کرے۔

خود صاحب بحر فرماتے ہیں:

والذی تحرر انہ لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی ھذا فاکثر الفاظ التکفیر المذکورۃ لایفتی بالتکفیر بھا ولقد الزمت نفسی ان لاافتی بشئ

منھا۔(ترجمہ) یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی مسلمان کے کلام کا صحیح معنی بن سکتا ہو یا ضعیف روایت کی ہی کی بنیا پر اس کے کفری ہونے میں اختلاف ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اسی بات کے پیش نظر کتب فقہ میں مذکور الفاظ کفریہ کی بنا پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ میں نے اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے کہ اس طرح کے الفاظ پر تکفیر نہیں کروں گا۔

علامہ شامی نے ردالحتار ج ۶ ص ۳۷۹ میں فرمایا ہے:

قولہ (ولو روایۃ ضعیفۃ) قال الخیر الرملی: اقول ولو کانت الروایۃ لغیر اھل مذھبنا، ویدل علیٰ ذٰلک اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعاً علیہ اھ۔ حضرت خیر الدین رملی نے فرمایا ہے کہ دوسرے مذہب کے حضرات کی بھی ضعیف روایت کی بنیاد پر تکفیر سے بچا جا سکتا ہو تو بھی تکفیر نہیں ہوگی کیونکہ تکفیر کے لئے موجب کفر کا اجماعی ہونا شرط ہے۔

تقریرات رافعی میں ہے:

وقد صرح الحموی بانھا ولو کانت لغیر مذھبنا وجب علی المفتی المیل الیھا وتبعہ ابو السعود والخیر الرملی الخ۔ (ترجمہ) علامہ حموی نے صراحت فرمائی ہے کہ تکفیر سے بچانے والی ضعیف روایت دوسرے مذہب کے حضرات کی ہو تو بھی مفتی پر واجب ہے کہ اس روایت کی بنا پر تکفیر سے اجتناب کرے۔ علامہ ابو سعود اور خیر الدین رملی نے اس بارے میں علامہ حموی کا ساتھ دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سبحٰن السبوح ص ۱۰۰ فرماتے ہیں:

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اھل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف محمل بھی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔

فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۹ ص ۱۹۴۱ میں فرماتے ہیں:

کسی قول یا فعل کا موجب کفر ہونا تو خود افعال مکلفین ہی سے بحث ہے، اس کے بیان کو کتب فقہ میں ''باب الردۃ'' مذکور اور صدہا اقوال وافعال پر انہی مشائخ کے بے شمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط، تارکین تفریط وافراط، باآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اور ان مشائخ کرام کے خادم ومعتقد ہیں، زینہار ان پر فتوی نہیں دیتے اور حتی الامکان تکفیر سے احتراز رکھتے، بلکہ صاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیفہ اگر چہ دوسرے ہی مذہب کی دربارۂ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہولے کافر نہ کہیں گے الخ۔

الغرض احتمال بلا دلیل یعنی بعید ہو، تو بھی فقہائے کرام تکفیر کرتے ہیں اور متکلمین تکفیر نہیں کرتے، بلکہ توقف کرتے ہیں۔

منح الروض ص ۸۷ میں ہے:

عدم التکفیر مذھب المتکلمین والتکفیر مذھب الفقھاء۔ (ترجمہ) تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مسلک ہے اور تکفیر کرنا فقہا کا مسلک۔

نیز اس ص ۳۴۲ میں ہے:

عدم التکفیر مذھب الشیخ الاشعری واتباعہ وھو المروی فی الملتقی عن الامام الاعظم والتکفیر مذھب الفقھاء۔ (ترجمہ) امام اشعری اور آپ کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ تکفیر

نہیں ہوگی ملتقی میں امام اعظم سے یہی مروی ہے
تکفیر توفقہا کا مذہب ہے۔

واضح رہے کہ ممکن ہے کسی امر میں کسی کے نزدیک احتمال قریب وعن دلیل ہو ــــ کسی کے نزدیک احتمال بعید وبلا دلیل ہو ــــ اور کسی کے نزدیک بلا دلیل بھی نہ ہو، ــــ مثلاً زید نے بیوی سے انت بریۃ (تم مجھ سے بری ہو) کہہ دیا۔ تو جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے طلاق کی نیّت سے یا، بیوی کے طلاق طلب کرنے پر یہ کہا ہے، اس کے نزدیک اس جملہ سے طلاق مراد نہ ہونے کا احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ــــ اور جس کو یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق کی نیّت سے یہ جملہ کہا ہے، مگر یہ معلوم ہے کہ بیوی کے طلاق مانگنے پر یہ کہا ہے، اس کے نزدیک اس جملہ سے طلاق مراد نہ ہونے کا احتمال بعید وبلا دلیل ہوگا ــــ اور جس کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے یہ جملہ طلاق کی نیّت سے کہا ہے، اس کے نزدیک احتمال بالکلیّہ نہیں ہوگا۔

یونہی جس شخص کو شوہر کا انت بریۃ (تم مجھ سے بری ہو) کہنا کا خبر واحد (جس میں مخبر کا قابل اعتماد اور خبر کا متصل ہونا شرط ہے) کے ذریعہ معلوم ہو، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ــــ اور جس شخص کو خبر مشہور کے ذریعہ معلوم ہو، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال بلا دلیل ہوگا ــــ اور جس شخص نے اپنے کان سے سنا ہے۔ یا۔ خبر متواتر کے ذریعہ معلوم ہوا ہے، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال بالکلّیہ نہ ہوگا۔

ایسے ہی جس باب میں اکراہ عذر ہے، اس باب میں متکلم کے مکرہ ہونے۔ یا۔ جس باب میں رجوع صحیح ہے، اس باب میں متکلم کے کلام سابق سے رجوع کرلینے کا علم جس شخص کو خبر مشہور کے ذریعہ ہو، اس شخص کے نزدیک متکلم میں احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ــــ اور جس شخص کو یہ علم خبر واحد کے ذریعہ ہو اس شخص کے نزدیک احتمال بعید وبلا دلیل ہوگا ــــ اور جس شخص کو خبر واحد کے ذریعہ بھی یہ علم نہ ہو، اس شخص کے نزدیک احتمال بالکلیہ نہ ہوگا۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۱۶ میں ہے:

یجوز ان یکون المتواترات مختلفۃ بحسب قوم دون قوم فھذا متواتر عند من طالع کثرۃ الوقائع والاخبار ــــــ المتواتر لا یوجب ان یکون الکل عالمین بہ الا تری ان اکثر العوام لا یعلمون غزوۃ بدر اصلاً بل المتواتر انّما یکون متواتراً عند من وصل الیہ اخبار تلک الجماعۃ وذالک بمطالعۃ الوقائع والاخبار والمخالفون لم یطالعوا الخ۔

(ترجمہ) ہوسکتا ہے کوئی خبر کسی قوم کے نزدیک متواتر ہو اور کسی قوم کے نزدیک متواتر نہ ہو، متواتر اس قوم کے نزدیک ہے جس نے کثرت وقائع واخبار کا مطالعہ کیا ہے ــــ متواتر ہونے کے لئے لازم نہیں ہے کہ سب اسے جان لیں۔ دیکھیے! غزوۂ بدر جسے ہم تواتر کے ساتھ جانتے ہیں، اکثر عوام اس سے واقف نہیں ہیں۔ متواتر اس کے نزدیک ہوتی ہے جس کے پاس اس جماعت کی خبر پہونچی ہو، اور یہ اخبار ووقائع کے مطالعہ سے ہوتا ہے جبکہ مخالفین نے مطالعہ ہی نہیں کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یزید کے تعلق سے یہ بات مشہور ہونے کے باوجود کہ وہ شراب کو جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ محرمات کے ساتھ بھی شادی کرنا جائز سمجھتا تھا، اور امام حسین کی شہادت کے بعد کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین سے میدان بدر میں اپنے بزرگوں کے قتل کا بدلہ لے لیا۔

طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۶۶ و ابن اثیر ج ۴ ص ۴۱ میں حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملئکہ رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے:

فو اللہ ماخرجنا علیٰ یزید حتی خفنا ان نرم بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح الامہات والبنات والاخوات ویشرب الخمر و یدع الصلوٰۃ ۔ (ترجمہ) خدا کی قسم ! ہم یزید کے خلاف اس وقت اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا کہ اس کی بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر نہ برس پڑیں ۔ کیوں کہ یہ شخص (یزید) ماوؤں ، بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا تھا، شراب پیتا اور نمازیں چھوڑ تا تھا۔

علامہ ابن حجر مکّی صواعق محرقہ ص۲۱۸ میں فرماتے ہیں:

قول سبط ابن الجوزی وغیرہ المشہور انہ لما جاء رأس الحسین رضی اللہ عنہ جمع اھل الشام وجعل ینکت رأسہ بالخیزران وینشد ابیات الزبعری ۔ لیت اشیاخی ببدر شہدوا الابیات المعروفۃ وزاد فیھا بیتین مشتملین علیٰ صریح الکفر ۔ (ترجمہ) سبط ابن الجوزی وغیرہ کا مشہور قول ہے کہ یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک آیا تو اس نے اہل شام کو جمع کرکے خیزران کی اس لکڑی سے جو اس وقت اس کے ہاتھ میں تھی، امام کے سر انور کو الٹ پلٹ کرنا شروع کیا اور زبعری کے یہ مشہور اشعار پڑھنے لگا: کاش! بدر میں مارے گئے میرے بزرگ آج زندہ وموجود ہوتے الخ ۔ اس نے ان شعروں میں دو ایسے اشعار اور بھی زیادہ کئے جو صریح کفر ہیں۔

حضرت علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر ص ۸۸ میں فرماتے ہیں:

قال ابن ھمام واختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما روی عنہ ما یدل علیٰ کفرہ من تحلیل الخمر ومن تفوہ بعد قتل الحسین و اصحابہ انی جازیتھم بما فعلوا باشیاخ و صنادید ھم فی بدر و امثال ذالک ۔ (ترجمہ) ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ یزید کے کافر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے بعض نے اسے کافر کہا، اس لئے کہ اس سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں مثلاً شراب کو حلال کرنا اور حضرت حسین اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے بعد یہ کہنا کہ میں نے بدر میں مارے گئے اپنے بزرگوں اور سرداروں کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ وغیرہ ذالک ۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۱ میں فرماتے ہیں:

کفر یزید بدین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی انشد ابیاتا حین قتل حسینا رضی اللہ عنہ مضمونھا: این اشیاخی ینظرون انتقامی بآل محمد و بنی ھاشم ۔ و آخر الابیات: ولست من جندب ان لم انتقم، ★ من بنی احمد ما کان فعل ★ و ایضا احل الخمر و قال: ۔ فان حرمت یوما علیٰ دین احمد ★ فخذھا علیٰ دین المسیح بن مریم ۔ (ترجمہ) یزید نے دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا انکار کردیا ۔ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر جو اشعار کہے ان کے معنی ہیں ۔ ''کہاں ہے میرے بزرگ جو بنی ہاشم اور آل محمد سے میرا بدلہ لینا دیکھ لیں''؟ آخری شعر ہے ''میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد سے ان کے کئے کا بدلہ نہ لوں تو جندب کی اولاد نہیں'' اسی طرح شراب کو حلال قرار دیا اور کہا: پس اگر یہ شراب دین احمد میں کسی دن حرام ہوئی تو اے مخاطب! تو اس کو مسیح ابن مریم کے دین پر لے لے ۔ یعنی حلال سمجھ۔

عرب میں دو بہت ہی مشہور قبیلے تھے بنو ہاشم اور بنو امیہ ،اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بنو ہاشم کے خاندان سے تھے۔ جنگ بدر، جس میں کفار ومشرکین کو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کفار ومشرکین سے بنو امیّہ ہی کا خاندان تھا۔ یزید جس کا سلسلۂ نسب بنو امیہ سے ملتا ہے، اس نے ان اشعار میں جنگ بدر میں مارے گئے انہی اموی سرداروں کے بدلہ کی بات کہی ہے، جو مفسر و متعین ہے۔ تو اس کلام میں غیر کفری معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے، اس لیے یہ کلام، کفر قطعی، التزامی ہے۔

اسی طرح اس نے شراب کے بارے میں کہا ہے کہ شراب دین محمدی کے مطابق حرام ہے، تو ہوتی رہے۔ ہم اسے دین عیسوی کے مطابق مان رہے ہیں، یعنی حلال سمجھ رہے ہیں۔ جو، مفسر و متعین ہے۔ تو اس کلام میں بھی غیر کفری معنی کا احتمال بعید نہیں ہوا، اس لیے یہ کلام بھی کفر قطعی التزامی ہے۔

یونہی محرمات کے ساتھ شادی کو جائز ماننا بھی ایسا کفر ہے ،جس میں کسی بھی اسلامی پہلو کا احتمال بعید نہیں ہے، تو یہ بھی کفر قطعی التزامی ہوا۔

رہی تکلم میں احتمال کی بات! تو جن کے نزدیک یزید کا محرمات سے شادی کو جائز سمجھنا اور یہ اشعار کہنا خبر متواتر سے ثابت ہوا، ان کے نزدیک تکلم میں بھی احتمال بعید نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے تکفیر کلامی کی۔

ملاعلی قاری شرح فقہ اکبر ص ۸۸ میں امام ابن ہمام کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> لعله وجه ماقال الامام احمد بتكفيره لماثبت عنده نقل تقريره۔ (ترجمہ) شاید اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے یزید کی تکفیر کی ہے کہ اُن کے نزدیک اُس کی اِس بات کی نقل (تواتر سے) ثابت ہوگی۔

علامہ شیخ محمد بن علی الصباح علیہ الرحمۃ والرضوان اسعاف الراغبین ص ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:

> و قد قال الامام احمد بكفره وناهيك به ورعاوعلما يقتضيان انه لم يقل ذالک الا لماثبت عنده من امور صريحة وقعت منه توجب ذلک وفقه على ذالک جماعة كابن الجوزی وغيره۔ (ترجمہ) اور بیشک امام احمد بن حنبل یزید کے کفر کے قائل ہیں اور ان کا علم وورع اس بات کا مقتضی ہے کہ انہوں نے یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جب ان کے نزدیک صریح طور پر وہ امور ثابت ہو گئے ہوں گے اور یزید سے وہ باتیں واقع ہوئی ہوں گی جو موجب کفر ہیں۔ کفر یزید کے قول پر علما کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے جیسے ابن جوزی وغیرہ۔

اور جن تک یزید کے یہ کرتوت خبر متواتر سے نہیں پہونچے ،جیسے ہمارے امام، امام اعظم رضی اللہ عنہ، ان کے نزدیک تکلم میں احتمال بعید رہا کہ ممکن ہے یزید کے یہ کرتوت نہ ہوں، اس کے ان کرتوتوں کو روایت کرنے میں راوی سے زیادتی ہوگئی ہو، اس لئے انہوں نے تکفیر کلامی سے توقف کیا۔

امام احمد رضا حاشیہ کوبیہ شہابیہ مندرج فتاوی رضویہ ج ۲۰ بہ ترتیب جدید ص ۷۱ پھر سل السیوف الھندیہ ص ۹۰ میں فرماتے ہیں:

> اس (یزید) خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔

اور جیسے شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتابوں مثلا تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور یکروزی وغیرہ کے اندر شان الوہیّت و رسالت میں گستاخیاں پر مشتمل عبارتیں لکھی ہیں، جن میں تکلم کے اعتبار سے احتمال بعید و بلا دلیل بھی نہیں ہے ؛ کیوں کہ شان الوہیت و رسالت میں گستاخیوں پر مشتمل یہ

عبارتیں ان سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ تو متعین ہے کہ انہوں نے ہی یہ گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں۔

اسی طرح متکلم کے اعتبار سے بھی احتمال بعید و بلا دلیل نہیں ہے؛ کیوں کہ ان گستاخی پر مبنی عبارتوں سے توبہ کا ثبوت، خبر واحد (جس میں مخبر کا قابل اعتماد اور خبر کا متصل ہونا شرط ہے) کے ذریعہ بھی نہیں ہے۔ تو متعین ہے کہ انہوں نے ان گستاخانہ عبارتوں سے توبہ نہیں کی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ میں مستفتی کا توبہ کی بابت لکھنا محض افواہ ہے۔ اسی لیے مصنف فتاویٰ رشیدیہ نے بھی اسے افترا قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

۔۔۔۔۔۔اور توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افترا اہل بدعت کا ہے۔ (ص ۸۵)

اسی لیے علامہ فضل رسول علیہ الرحمۃ نے المعتقد المنتقد ص ۷۷ میں لکھا ہے:

> اقول فما حال من لم یشفق و لم یندم و لم یستغفر و لم یتب و لم یعترف بخطائه و من جاء من بعده فاصر علیه و قام للخصومة لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم۔ (ترجمہ) ذرا اس کا حال تو دیکھو جو نہ ڈر محسوس کیا نہ نادم ہوا نہ استغفار کیا نہ توبہ کی اور نہ اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ اور اس کے بعد آنے والے لوگ اس پر اصرار کرتے اور جھگڑتے رہے ۔لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم

اور امام احمد رضا نے اس پر المعتمد المستند میں فرمایا ہے:

> ارادبه طاغة النجدیه اسمعیل الدهلوی۔ (ترجمہ) اس سے مصنف کی مراد نجدیوں کا سرغنہ اسماعیل دہلوی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے الموت الاحمر ص ۳۱ کے حاشیہ میں فرمایا ہے۔

اگر تری افواہ بے سر و پا کن فیکون کے بعد اس کے بعض ہوا خواہوں کا مکابرانہ ادعا ہو، تو اس پر التفات نہ ہوگا۔ فاحفظ

البتہ کلام کے اعتبار سے فی نفسہ احتمال بعید بلا دلیل ہے کہ ظاہر عبارت سے جو معنی سمجھا جا رہا ہے، وہ اس کی مراد نہ ہو، بلکہ بلا دلیل اسلامی معنی مراد ہو۔ اس صورت میں فقہائے کرام کے مسلک پر اس کی تکفیر ہوگی۔ اور امام احمد رضا نے اس کی فقہی تکفیر فرمائی ہے۔

چنانچہ کوکبہ شہابیہ میں اس کے فقہی کفریات شمار کر کے فرمایا:

> بالجملہ ماہ و مہر نیم روز کی طرح ظاہر و زاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعلیہ اور اس کے امام نافرجام پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً بوجوہ کثیرہ کفر لازم الخ

اور حاشیہ پر فرمایا:

> اس میں شک نہیں کہ اس گروہِ ناحق پژوہ پر ہزاروں وجہ سے کفر لازم اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حاکم الخ

رہا تحقیق الفتویٰ میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور تصدیق و تقریظ نگاروں کا اس کے تعلق سے یہ لکھنا! کہ:

> جواب سوال دوم این ست کہ کلام او، بلا تردد و اشتباہ، بر استخفات منزلت و جاہ آن سرور و مقربان بارگاہ حضرت الٰہ و انتقاص شان سائر انبیا و ملائکہ و اصفیا و شیوخ و اولیا اشتمال دلالت دارد چناں کہ در مقام ثالث مذکور، و فیما سبق مبرہن و مسطور است۔
>
> جواب سوال ثالث این ست کہ قائلِ ایں کلام لاطائل، از روئے شرع مبین بلاشبہ کافر و بے دین است، ہرگز مومن و مسلمان نیست، و حکم او شرعاً قتل و تکفیر است۔ و ہر کہ در کفر او شک آرد، یا تردد دارد، یا ایں استخفاف را سہل انگارد، کافر و بے دین و نامسلمان و لعین است (ص۔ ٦٠) ترجمہ: دوسرے

سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا کلام یقینا بارگاہ الٰہی کے مقربین کے سردار کی منزلت وجاہ کے استخفاف پر مشتمل نیز اور بھی انبیا، ملائکہ، اصفیا، مشائخ اور اولیا کی تنقیص پر دال ہے جیسا کہ مقام ثالث میں مذکور اور ماقبل میں دلائل سے ثابت ہوا۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا قائل شرع مبین کے اعتبار سے یقینا کافر و بے دین ہے، ہرگز مومن و مسلمان نہیں۔ شرعاً اس کے لئے حکم قتل وتکفیر ہے جو اس کے کفر میں شک کرے یا متردد ہو یا اس کے اس استخفاف کو معمولی سمجھے، وہ بھی کافر و بے دین اور نا مسلمان ولعین ہے۔

تو یہ بلاشبہ تکفیر کلامی ہے؛ کیوں کہ:

ہرگز مومن و مسلمان نیست، وحکمِ او شرعاً قتل وتکفیر است۔ و ہر کہ در کفر او شک آرد، یا تردد دارد، یا ایں استخفاف را سہل انگارد، کافر و بے دین و نا مسلمان ولعین است (ترجمہ) یقینا کافر و بے دین ہے، ہرگز مومن و مسلمان نہیں۔ شرعاً اس کے لئے حکم قتل وتکفیر ہے جو اس کے کفر میں شک کرے یا متردد ہو یا اس کے اس استخفاف کو معمولی سمجھے، وہ بھی کافر و بے دین اور نا مسلمان ولعین ہے۔

یہ، عربی میں من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر ہی کی فارسی میں تعبیر اور کفر کلامی ہی کا حکم ہے، کفر فقہی کا نہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ الموت الاحمر ص ۷۳ میں فرماتے ہیں:

آپ عبارت صراط مستقیم کو پوچھتے ہیں کہ: اگر وہ متعین ہوتی تو آپ کس انداز سے اس عبارت کو ادا فرماتے؟

جی! اسی طرز سے، جس سے امام اہل سنت وتمام علمائے حرمین طیبین نے خیایان نانوتوی وگنگوہی اور آپ تھانوی صاحبان کی تکفیر فرمائی کہ وہ **قطعاً یقینا کافر مرتد مرتد مرتد اور جو ان کو مسلمان جانے بلکہ ان** **کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر کافر کافر۔**

حضرت ملاعلی قاری شرح شفا ج ۴ ص ۳۳۸ میں فرماتے ہیں:

وکیف یصح قولہ "من شک فی کفرہ و عذابہ کفر" مع ذکر الخلاف فیہ۔ ترجمہ: جس کے کفر میں اختلاف ہو، اس کے تعلق سے یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ "**جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے**"۔

تقویۃ الایمان، یکروزی اور صراط مستقیم وغیرہ کی عبارتیں فی نفسہ معنیٔ کفر میں غیر متعین ہونے کے باوجود ان کے مصنف شاہ اسماعیل کی تکفیر کلامی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ نے جامع مسجد دہلی کے مناظرہ میں ان سے مراد دریافت کرلی تھی اور شاہ اسماعیل صاحب کوئی ایسی مراد نہیں بتا سکے تھے جو اس ظاہری معنی (کفر) کے برخلاف غیر کفری ہوتی، جیسا کہ علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ نے سیف الجبار ص ۵۸و۵۹ میں لکھا ہے:

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی۔۔۔۔۔۔۔۔نے ہر طرح مولوی اسماعیل کے روبرو اُن کا رد وابطال کیا اور تکفیر کی نوبت تحریر کی آئی۔ مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے۔

اور ہم لکھ آئے ہیں کہ: کوئی جملہ کفری معنی میں ظاہر ہو، اس میں اسلامی معنی کا احتمال بعید و بلا دلیل موجود ہو مگر جب اس کی مراد پوچھی جائے اور وہ نہ بتا پائے تو اسے اس کفری معنی ہی کے لیے مفسر و متعین مان لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ؛

فان القرآن السابقۃ واللاحقۃ ربما تعین علی تعین المراد ترجمہ: بسا اوقات قرائن سابقہ ولاحقہ معنیٔ مراد کی تعیین پر معین ہوتی

ہیں۔(معتمد مستند ۱۶۴)

مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۶۶ میں ہے:

ان القرینۃ قد تفید القطع (ترجمہ) کبھی قرینہ بھی یقین کا افادہ کرتا ہے۔

اسی کے ص ۲۱۲ میں ہے:

وانت لایذھب علیک ان القرائن الخارجیۃ ربما تفید العلم عادۃ (ترجمہ): تم سے یہ بات مخفی نہیں کہ بسا اوقات قرائن خارجیہ سے بھی یقین حاصل ہوجاتا ہے۔

ملاعلی قاری کی شرح فقہ اکبر ص ۱۰۴ میں ہے:

لو لم یصدق لوجوب الصلوۃ و حرمۃ الخمر عند السوال کان کافرا۔ (ترجمہ) پوچھے جانے پر نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کی تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا۔

اس لیے علامہ فضل حق وغیرہ کے نزدیک شاہ اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں میں ظاہر کے خلاف معنی کا احتمال بلا دلیل بھی نہ رہا اور وہ عبارتیں توہین کے معنوں میں مفسر و متعین ہوگئیں۔ اور انہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر کلامی کی۔

اور امام احمد رضا تک علامہ فضل حق وغیرہ کا شاہ اسماعیل سے مناظرہ کرنے اور ان کا اپنی کوئی صحیح مراد نہ بتا پانے کی اطلاع، خبر واحد کے ذریعے پہنچی، خبر متواتر کے ذریعے نہیں جیسا کہ فقیر نے اپنی کتاب "اھل قبلہ کی تکفیر" میں اس کو مزید وضاحت سے بیان کیا ہے۔ تو امام احمد رضا کے نزدیک یہ احتمال بعید رہ گیا کہ ممکن ہے انہوں نے اپنی ان عبارتوں کا کوئی ایسا معنی مراد لیا ہو جو کفری نہ ہو، اس لیے امام احمد رضا نے تکفیر کلامی سے توقف کیا۔

فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۱ میں ہے:

لایکفی فی الکفر بالانکار ان یقول لہ شخص او اشخاص لم یبلغوا اعدد التواتر ھذ اواجب او حلال او حرام بل لا بد ان یتواتر عندہ ذالک۔ (ترجمہ) ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص ہی کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر کے لئے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے۔

نشاط السکین ص ۱۳۷ کے حاشیہ میں ہے:

شرک امر عظیم ہے کسی کلمہ گو کی طرف اس کی نسبت کرنے کو یقین قطعی درکار۔۔۔۔۔ اور حصول یقین کے دو ہی طریقے۔ یا تو کسی کی زبان سے خود اس کا اقرار سنیں۔۔۔۔۔۔۔ یا بذریعہ تواتر قطعی، نہ افواہِ بازاری، اس کا علم آیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ یزید کے تعلق سے کلام میں اسلامی معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔ ہاں! تکلم میں احتمال بعید ہے۔ اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے کلام میں فی نفسہ احتمال بعید ہے۔ ہاں! تکلم میں احتمال بعید بھی نہیں ہے۔

اس لیے یزید اور اسماعیل دہلوی دونوں کا حال یکساں ہے کہ دونوں ہی کے تعلق سے بعض کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید بھی نہیں رہا، اور بعض کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید رہا۔ تو جن کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید نہیں رہا، انہوں نے تکفیر کلامی کی جیسے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور جن کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید رہ گیا، انہوں نے تکفیر کلامی سے توقف کیا جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ۔

□□□

مسئلہ اذان واقامت اوراہل سراواں

مفتی محمد جمیل احمد رضوی: بابانی: جامع رضانیوعظیم آباد پونی پٹنہ

میرا اپنا بھی ہے غیروں کا ثنا خواں بھی ہے
عقل حیران ہے کیسے اسے اپنا سمجھوں

اسکے دامن پہ میرے خون کی ہیں چھینٹیں اب تک
اس کے رولینے سے کیسے میں مسیحا سمجھوں

الہ آباد سراواں کی وہ طلسماتی خانقاہ جو چراغ سے نکلے جن کی طرح اچانک نمودار ہوکر محیر العقول کرتب دکھانے لگی۔ اور اپنی فکری واعتقادی روش کی بناپر نہ یہ کہ اہلسنت میں مشکوک ہوگئی بلکہ اکثر علمائے اہل سنت نے اس سے بیزاری ظاہر کی۔ اپنابن کر اپنوں کی پیٹھ میں خنجر بھونکنے کا کام اس نے کتنی بار کیا۔۔۔ لیکن ہر بار اہلسنت کا حساس طبقہ اس کی خانقاہیت کا لحاظ کر کے اس کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتا رہا۔ فقیہ النفس استاذ المناظرین حضور مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی ایک خط میں فرماتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے ''سید سراواں'' حاضر ہونے کی دعوت پہلی بار منظور کی تھی تو بعض حضرات نے کچھ باتیں بتا کر مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے یہ سوچ کر کہ ''لیس الخبر کالمعائنہ'' ان کی بات ان سنی کردی تھی اور خدائی ارشاد بینوا کی تعمیل میں حاضر ہوگیا تھا۔ کچھ دنوں بعد مبارکپور جانا ہوا تو وہاں کے استاذ محترم مولانا بدر عالم صاحب کے پاس حضرت شیخ کی وہ تحریر بھی دیکھی جس میں اکابر دیوبند کی کفری عبارات پر ان کی تکفیر کی گئی ہے۔ اس لیے دوبارہ بھی حاضر ہوا اور کئی دنوں تک قیام کیا جس کی وجہ سے بہت سے وہ حضرات جو پہلے مجھ سے محبت وعقیدت کا رشتہ رکھتے تھے برگشتہ ہوگئے۔''

یہ فقیہ النفس کے ایک مکتوب کا اقتباس ہے جو مولانا حسن سعید صفوی ولی عہد خانقاہ سید سراواں کے نام لکھا گیا ہے، جو آج بھی میرے واٹس ایپ میں موجود ہے۔ راقم۔

فقیہ النفس کو مذکورہ خانقاہ سے باز رکھنے کی کوشش اور پھر چلے جانے کے بعد محبت وعقیدت کا رشتہ رکھنے والوں کی برگشتگی اسی درد کی ٹیس ہے۔ جو اہل خانقاہ اپنے فکر وعمل سے اہل سنت کو دیتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود درد سہنے والے اپنے آنسو پی کر رہ گئے۔ حالانکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا انہیں اچھی طرح آتا ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ انگلی کوئی بھی کٹے درد تو ہاتھ والے کو ہی ہوگا۔ چپ سادھ لیے۔ بات خانقاہ اور خانقاہیوں کی تھی اس لیے اپنا سمجھ کر ان کی تمام حرکات کو نظر انداز کرتے گئے۔ حالانکہ گربہ کشتن روز اول باید پر عمل کر کے اگر اس کا سد باب شروع ہی میں کر لیا گیا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔ جس کا اظہار فقیہ النفس نے اپنے مکتوب میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''عزیزم مولانا امجد رضا امجد نے مسئلۂ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ کے بعض اقتباسات بھیجے ہیں جن میں فتاویٰ رضویہ کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بات صرف تنقید کی حد تک رہتی تو میں آج آپ کو یہ مکتوب لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مگر ماتم تو اس کا ہے کہ مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ میں نہ

صرف کتابوں کی عبارتوں کے اختراعی مفہومات اخذ کیے گئے ہیں بلکہ اس کے سہارے امام احمد رضا پر لعن طعن کے جتنے تیر برسا سکتے تھے برسا دیئے گئے ہیں۔'' (مکتوب مذکور صفحہ۔ ۲)

امام احمد رضا پہ سرا واں والوں نے جو طعن و تشنیع کے تیر برسائے ہیں اس کے چند نمونے ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا نمونہ: امام اہلسنت نے اپنے مختلف فتاوے میں تحریر فرمایا ہے کہ اذان خطبہ مسجد سے باہر دینا سنت ہے۔اس پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے: ''جمعہ کے دن خطبہ کی اذان جس کو دوسری صدی کی ابتدا سے لے کر اب تک کے علماء، فقہاء اور مشائخ بشمول غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی کے مسجد کے اندر دیتے ہوئے آرہے ہیں۔اس کو ہم خلاف سنت کہہ کر مسجد کے باہر دلوانے پر پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔مسئلہ یہ نہیں کہ اسے کوئی سنت سمجھے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی جوش عناد میں امت کے اس عظیم توارث کو بدعت، ضلالت، خلاف سنت، موضوع، اصلاح و دعوت اور عنوان جبر و وحشت سمجھے۔'' (مسئلہ اذان وقامت، صفحہ ۳۲)

اس مقام پر ہم سرا واں والوں سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں:

پہلا سوال: یہ ہے کہ حضور غوث اعظم نے کب اور کہاں اذان خطبہ مسجد کے اندر دی ہے۔ یا کم از کم دوسرے سے دلوائی ہے۔اور لگے ہاتھوں اصغر علی مصباحی یہ بھی بتاتے چلیں کہ دوسری صدی سے اب تک کتنے علماء فقہاء اور مشائخ نے اذان خطبہ مسجد کے اندر دی ہے۔اور کون کون حضرات نام و زمانہ کے ساتھ مسجد کی بھی وضاحت کر دیں تا کہ قارئین کو آپ کی تحقیق سمجھنے میں آسانی ہو۔

دوسرا سوال: کہ جوش عناد میں امت کے عظیم توارث کو بدعت ضلالت، خلاف سنت، موضوع اصلاح دعوت اور عنوان جبر وحشت کون سمجھ رہا ہے۔ براہ کرم ایسے لوگوں کا نام اور ان کی تحریروں کی اصلی عبارتیں ناظرین کے سامنے پیش کریں۔

تیسرا سوال: ہاں امام اہلسنت سرکار اعلیٰ حضرت نے اسے اپنے فتاویٰ میں خلاف سنت ضرور لکھا ہے۔تو کیا وہ جوش عناد میں تھا؟ اگر ہاں تو ثبوت فراہم کریں۔ ورنہ عرب و عجم کے مقتدیٰ مقبول بارگاہ مصطفیٰ مجدد اسلام امام احمد رضا پر ایک نہایت پھوہڑ الزام عائد کر کے آپ نے نہایت گھٹیا حرکت کی ہے۔ عالم اسلام کے اربوں خوش عقیدہ مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔جس کے لیے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے سے بھی آپ کو معافی نہیں مل سکتی۔

چوتھا سوال: جو امر خلاف سنت ہو کیا وہ ضلالت اور عنوان جبر و وحشت ہوتا ہے۔

ناظرین ابھی تو ابتدا ہے خانقاہ سرا واں نے امام احمد رضا کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی ہیں ملاحظہ فرمائیں:

دوسرا نمونہ: خانقاہ سرا واں کا خود ساختہ محقق لکھتا ہے۔ فاضل بریلوی کے ان دونوں مکتوبات سے صاف واضح ہے کہ آپ کے فتویٰ سے پہلے ہندوستان کے تمام شہروں میں اذان ثانی مسجد کے اندر ہی ہوتی تھی۔ ورنہ ان کے اپنے خیال کے مطابق علماء کے انکار اور جہال کے شور مچانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فاضل بریلوی کی اس تحریر کے بین السطور سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کا مذکورہ فتویٰ ہندوستان میں رائج تعامل و توارث کے خلاف تھا۔(مسئلہ اذان واقامت صفحہ ۴۵)

محقق صاحب فتویٰ رواج و دستور دیکھ کر نہیں دیا جاتا اعمال و احوال کی اصلاح کی خاطر حکم شرع بیان کیا جاتا ہے۔اور ہم یہ مانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ہندوستانی تعامل کے خلاف تھا لیکن عہد رسالت اور صدیق و فاروق کے زمانوں کے عین مطابق تھا۔اور یہی بہتر ہے۔آپ نے خود ہی اپنی کتاب میں علامہ غلام رسول سعیدی کا فرمان نقل کیا ہے کہ: ''ہم پوری امانت اور دیانت اور شرح صدر کے ساتھ کہتے ہیں کہ اذان دینے کا افضل طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا جس طریقہ سے آپ کے سامنے اذان دی جاتی رہی'' (مسئلہ اذان۔ ۳۲)

یہ بیان اگر چہ اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے کے

تعلق سے ہے لیکن اپنی جامعیت، واقعیت اور حقیت کے اعتبار سے کتنا واضح ہے آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ سینتالیس (۴۷) پر علامہ ابن الحاج کی ایک عبارت کا ترجمہ کیا ہے کہ: ''اذان کا مسجد کے اندر ہونا بدعت ہے۔ اس کے موجد ہشام ابن عبد الملک ہیں۔ پھر اس بدعت کا رواج اس قدر ہو گیا گویا کہ یہی سنت متوارثہ ہو''۔ (مسئلہ اذان صفحہ ۴۷)

اسی طرح زمانہ رسالت میں اذان جمعہ کہاں ہوتی تھی آپ نے خود حدیث پاک کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''حضرت صائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن ممبر پر جلوہ افروز ہوتے اس وقت آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں بھی تھا۔ (مسئلہ اذان واقامت، صفحہ ۳۵)

ان حقائق کے بعد بھی امام احمد رضا کے فتوے پر تنقید کرنا یا خود انہیں مطعون کرنا تہذیب وشرافت کو منہ چڑھانا نہیں ہے؟

اپنے معاملے میں آپ آزاد ہیں اذان ثانی خارج مسجد دلوا کر چاہیں تو سنت کی پیروی کریں یا داخل مسجد دے کر ہشام ابن عبد الملک کے رائج کردہ بدعت کو اپنے گلے کا ہار بنائیں۔ یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔ کسی کو سنت نصیب ہوئی تو کوئی بدعت اپنا یا لیکن امام احمد رضا پر انگلی اُٹھا کر آپ لوگوں نے اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔

سراواں والو! سستی شہرت حاصل کرنے کے اور بھی بہت ذرائع ہیں امام احمد رضا کی عظمت کو چھیڑ کر آپ لوگوں نے اپنی مٹی پلید کر لی ہے۔ بقول شاعر

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

امام احمد رضا جس شخصیت کا نام ہے ان کی جوتیوں میں بڑے بڑے علم وفضل کے تاجداروں نے اپنا تاج رکھ دیا ہے۔ آپ کس کھیت کی مولی ہیں۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

تیسرا نمونہ: تیور بدل کر اپنے دل کا بخار ایک جگہ اس طرح نکالا ہے ''اس پوری مدت میں امت کے جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ گذرے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے اس اذان کو مسجد سے باہر دلوانے پر اصرار نہیں کیا بلکہ ہر صدی میں مصلحین زماں اور احیاء سنت کے علمبردار آتے رہے۔ سب نے اپنے زمانے میں دین میں در آنے والی بے شمار بدعات وخرافات کو دور کیا اور اپنی نادر ونایاب تحقیق سے سنت کو زندہ کیا۔

لیکن اس مسئلے میں کسی نے بھی کوئی قدم نہیں اُٹھایا بلکہ مسجد کے اندر ہی اذان ثانی کو جاری رکھا۔'' (مسئلہ اذان واقامت صفحہ ۴۵)

گویا اذان ثانی کو باہر دلوانے کا جرم امام احمد رضا نے کیا اور ان کا اس میں کوئی ذاتی فائدہ تھا۔ لہٰذا ایک آدھ بار کہہ کر رک نہیں گئے بلکہ باضابطہ اصرار کیا۔ جب کہ امت کے جلیل القدر فقہاء، علماء، مشائخ، مصلحین زماں، احیائے سنت کے علمبردار، نادر ونایاب تحقیق کرنے والے محققین سب کے سب اپنا دامن سمیٹے ایک جانب کھڑے رہے کہ کہیں اس جرم کا کوئی دھبہ ان کے دامن پر بھی نہ لگ جائے۔

چونکہ وہ جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ وغیرہ تھے اور انہوں نے ایسا کام نہیں کیا اور امام احمد رضا نے کیا تو اب یہاں دو ہی بات رہ جاتی ہے یا تو امام احمد رضا ان جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے کسی فتوے اور دینی کارنامے کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ یا پھر انہوں نے جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ کی پسند کے خلاف اپنی مرضی سے اذان ثانی کو باہر کر کے غلط کیا ہے۔ لیکن سراواں کے محققین یہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح امت کے جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ اذان ثانی کو اندورن مسجد ہوتا دیکھ کر باہر نکلوانے پر اصرار نہیں کیے اسی طرح امام احمد رضا کے فتوے کے بعد اس اذان کو خارج مسجد ہوتا دیکھ کر بھی کوئی تعرض نہیں کیے۔ جیسا کہ

آپ نے امام احمد رضا کے مکتوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:
''اذان ثانی کا مسئلہ نیاز مند (امام احمد رضا) کے یہاں ۳۵ برس سے جاری ہے اکابر علماء آئے اور دیکھا اور انکار نہ کیا۔ بارہ برس ہوئے تحفۂ حنفیہ عظیم آباد پٹنہ میں اس بارے میں فقیر کا فتویٰ چھپا بعض بلاد میں جب ہی سے اس پر عمل شروع ہوا۔ اور جہاں نہ ہوا فقیر نے کوئی تعرض نہ کیا کہ زمانہ کثرت جہل، شیوع فتن کا ہے۔ مگر بحمد اللہ کسی طرف سے کوئی صدائے مخالفت ہے نہ آئی۔'' (مسئلہ اذان واقامت صفحہ ۴۵)

اور پھر آپ ہی کا پیش کیا ہوا دوسرے خط کا یہ ٹکڑا بھی حاضر ہے:
''حضرت کو معلوم ہو کہ فقیر (امام احمد رضا) کا یہ فتویٰ ۱۳۲۲ھ تحفۂ حنفیہ میں چھپ کر ملک میں شائع ہو چکا۔ نہ علماء نے انکار فرمایا نہ جہال نے شور مچایا۔'' (مسئلہ اذان واقامت، صفحہ ۴۵)

اب ایمان و دیانت کو سامنے رکھ کر بتائیں کہ:

۱۔ امت کے جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ کی اس خاموشی کا کیا مطلب ہوا۔ آپ کے حساب سے اذان ثانی مسجد سے باہر امر غیر مشروع تھی۔ اور اسلاف کے توارث کے خلاف۔ پھر امت کے جلیل القدر فقہاء علماء اور مشائخ نے اس سے انکار کیوں نہیں فرمایا۔

۲۔ جب آپ ہی کے پیش کردہ حوالے میں یہ موجود ہے کہ ''بعض بلاد میں جبھی سے اس پر عمل شروع ہوا۔ اور جہاں نہ ہوا فقیر (امام احمد رضا) نے کوئی تعرض نہیں کیا تو آپ کا یہ کہنا احمد رضا نے اصرار کر کے مسجد سے اذان ثانی کو باہر کروایا امانت و دیانت کا حصہ ہے یا خباثت و شرارت کا۔''

۳۔ ایک دینی عالم جو خود کو خانقاہی بھی کہتا اور لکھتا ہو تحقیق کے نام پر تخریب اور اصلاح کے نام پر افساد کا کام کرتا ہو۔ سماج میں اسے کس نام سے یاد کیا جانا چاہیے۔

آپ ہی اپنی جفاؤں کو ذرا یاد کرلیں
ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی

چوتھا نمونہ: آگے لکھتا ہے:
''جنہیں احیائے سنت کا شوق ہے وہ جمعہ کی دو اذانوں میں سے ایک اذان کو ہی سرے سے حذف کرنے کا بیڑا اُٹھائیں۔ اہل ظاہر اور بالخصوص سلفیہ کا استدلال یہی ہے۔ کہ ہر وہ عمل جو عہد رسالت میں نہیں تھا وہ بدعت ہے۔'' (مسئلہ اذان واقامت صفحہ ۵۳)

ناظرین اذان ثانی خارج مسجد دینا سنت ہے زمانہ رسالت اور عہد صدیقی و فاروقی میں یہ اذان خارج مسجد دروازے پر ممبر کے سامنے دی جاتی تھی۔ بعد میں ہشام ابن عبد الملک نے اسے مسجد کے اندر دلوانا شروع کیا جو خلاف سنت تھا۔ امام احمد رضا نے اسی سنت عظیمہ کو پھر سے قائم اور رائج فرمایا۔

کسی متروک سنت کو پھر سے عمل میں لانے کو احیائے سنت یعنی سنت زندہ کرنا کہتے ہیں۔ امام احمد رضا کی اس احیاء سنت کو تمام علماء فقہاء اور مشائخ نے قبول فرمایا۔ کسی نے اس پر کوئی اعتراض یا انکار نہیں فرمایا۔ شہر تو شہر دیہاتوں کی مساجد میں بھی اس پر عمل شروع ہو گیا۔ ہاں جن کے دلوں میں کجی ہے، امام احمد رضا کی عظمت و رفعت سے جلتے ہیں، وہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ اور اوپر سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا اقتباس کو آپ ایک بار پھر سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ سراواں والوں کے دلوں میں امام احمد رضا سے بغض و عناد کی کائی کتنی بری طرح جمی ہوئی ہے۔

امام احمد رضا کے اس کارنامے کو دنیائے اسلام میں آنکھوں سے لگایا گیا، سر پہ رکھا گیا لیکن مسئلہ اذان واقامت نامی کتاب میں اسے بطور اہانت ''شوق'' سے تعبیر کیا ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس عظیم کام کا مذاق اُڑاتے ہوئے اہل ظاہر اور سلفیہ یعنی وہابیوں کا طریقہ ٹھہرایا۔

اس کی آنکھوں پہ عداوت کا ہے چشمہ جب سے
ہر ہنر اس کو میرا عیب نظر آتا ہے

پانچواں نمونہ: حضور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل

بریلوی کو دھوکہ کھانے والا اور دھوکہ دینے والا لکھا۔ دھوکہ کھانا تو خیر بڑی بات نہیں حالانکہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم بارگاہ میں ایسا لفظ بھی صریح بے ادبی ہے لیکن دھوکہ دینا حدیث پاک میں منافق کی نشانی بتایا گیا ہے۔ سراواں والوں نے اعلیٰ حضرت کو دھوکہ دینے والا کہہ کر منافق سے ملا دیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

''بعض لوگ بین یدی الخطیب /المنبر کے الفاظ سے دھوکہ کھاتے ہیں یا دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسئلہ اذان واقامت، ص ۵۴۔۵۵)

چھٹا نمونہ: یہاں تو اہل سراواں نے تہذیب وشرافت کی ساری حدیں توڑ دی ہیں۔ گستاخی اور اہانت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ایک وحشی جاہل اور پاگل کی طرح منھ بھر گالیاں لکھی ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''ان تمام باتوں کے باوجود اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہی دینے پر کوئی مصر ہے۔ اور اس کے خلاف کرنے والے پر بدعت وضلالت کا حکم لگاتا ہے اور عالمگیریت کے اس دور میں اپنی چند مسجدوں کے جدید تعامل کو بنیاد بنا کر اسے سنیت کا شعار قرار دیتا ہے۔ تو یقیناً ایسے شخص کا قبلۂ تفقہ گم ہو گیا ہے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ پہلے وہ مقاصد شریعت کو سمجھے اور پھر اس کی مشروعیت کا جائزہ لے اور عہد رسالت سے لیکر اب تک اس میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں ان پر ایک نظر ڈالے۔ تا کہ اسے مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ میں آ جائے ورنہ امت کی اجتماعیت کو تارتار کرنے کے علاوہ اسے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔'' (مسئلہ اذان واقامت صفحہ ۵۵)

اس طویل اقتباس میں اعلیٰ پر جو الزمات عائد کیے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ اعلیٰ حضرت سب کچھ جاننے کے بعد بھی اپنی ہی بات یعنی اذان خارج مسجد دلوانے پر اصرار کیے ہیں۔
۲۔ اذان ثانی مسجد کے اندر دینے والوں پر بدعت اور ضلالت کا حکم لگائے ہیں۔
۳۔ عالمگیریت کے اس دور میں اپنی چند مساجد کے جدید تعامل کو بنیاد بنا کر اسے سنیت کا شعار قرار دیئے ہیں۔
۴۔ اعلیٰ حضرت کے فتوے پر عمل کرنے والوں کی صرف چند مساجد ہیں۔
۵۔ ان چند مساجد میں جہاں اعلیٰ حضرت کے فتوے پر عمل ہوتا ہے جدید تعامل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔
۶۔ سنت رسول اور سنت خلفائے رسول پر عمل سنیت کا شعار نہیں گویا سنیت کا شعار ہشام ابن عبد الملک کا طریقہ ہے۔
۷۔ اعلیٰ حضرت کا قبلۂ تفقہ گم ہو گیا ہے۔ یعنی وہ صحیح فقیہ اور مسائل شرعیہ سے واقف نہیں ہیں۔
۸۔ ان کو چاہیے کہ مقاصد شریعت کو سمجھیں۔ یعنی اعلیٰ حضرت کو شریعت کے مقاصد کی سمجھ نہیں۔
۹۔ اذان کی مشروعیت کا جائزہ لیں یعنی اعلیٰ حضرت کو اذان کی مشروعیت معلوم نہیں۔
۱۰۔ ان کو چاہیے کہ اذان میں عہد رسالت سے لیکر اب تک جو تبدیلیاں ہوتی آئی ہیں انہیں معلوم کریں۔
۱۱۔ تا کہ اذان کا مسئلہ اعلیٰ حضرت کو پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔
۱۲۔ چونکہ یہ سارے کام اعلیٰ حضرت نے نہیں کیے ہیں اس لیے انہوں نے امت کی اجتماعیت کو تارتار کیا ہے۔

اف رے منکر یہ بڑھا جوش تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کمبخت کے ایمان گیا

سراواں والوں کا ایمان تو نہیں گیا لیکن اہل سنت کے دلوں سے اپنا ہونے کا بھرم اور گمان ضرور چلا گیا۔ سنی بن کر وہابیت کو فروغ دینے والے دور حاضر کے منافقوں کا یہ ہے اصلی چہرہ۔

علمی لیاقت:

یہاں مجھے اپنے بچپن کا سنا ہوا وہ قصہ یاد آ رہا ہے کہ ایک

مینڈک کو تالاب کے کنارے پڑی ہوئی ایک اٹھنی ملی (پچاس پیسے کا سکہ) بے چارہ مینڈک زندگی میں پہلی بار اٹھنی پایا تھا۔ خود پر قابو کیسے رکھتا ٹراٹرا کر تمام جانوروں سے کہتا کہ مجھے سیٹھ کہا کرو۔ میں خزانے کا مالک ہوں۔ ایک ہاتھی پانی پینے گیا تو دوسرے تمام جانور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسے بھی بھاگنے کو کہا لیکن مغرور مینڈک سینہ تان کر بولا تم لوگ بھاگو میں کیوں بھاگوں۔ میں خزانے کا مالک ہوں اور پھر اسی پر بس نہیں کیا۔ خزانے کے نشے میں مخمور، ہاتھی کو اُچھل اُچھل کر لات بھی مارنے لگا۔ ادھر ہاتھی اپنے گرد و پیش سے بے نیاز، اپنے کام میں مگن، جب واپسی کے لئے مڑا تو اچانک پاؤں کے نیچے مینڈک آگیا۔

اٹھنی کا غرور اسے بڑا۔ مہنگا پڑا نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔ دنیا سے ہی پتہ کٹ گیا۔ اہل سرواں کی علمی اٹھنی بھی کہیں انہیں نہ لے ڈوبے۔ غرور و پندار کا یہ عالم کہ شارح بخاری علامہ عینی پر اپنا تفوق جتا دیا۔ مرتب لکھتا ہے:

''علامہ عینی نے فرمایا کہ دونوں جائز ہے لیکن دوسری صورت افضل ہے۔ لیکن میرے خیال میں اسے حی علی الصلوٰۃ کی جگہ پر ہی ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اور اس طرح پہلی صورت ہی اولی ہے۔'' (مسئلہ اذان واقامت، ص ۳۰)

یعنی علامہ عینی کی ترجیح سے اصغر علی مصباحی کا خیال بہتر ہے۔ اور صرف بہتر نہیں زیادہ بہتر ہے۔ ایک وہ کمبخت تھا جس نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں انا خیر منہ (میں ان سے بہتر ہوں) کہا تھا اور دائمی لعنت کا طوق اس کا مقدر بنا۔ اور دوسرے یہ لوگ ہیں۔ نخوت وتکبر کا یہ عزازیلی رنگ اب دیکھئے انہیں کہاں تک پہونچاتا ہے۔

ان کے خیال کی بہتری بھی ذرا ملاحظہ ہو:

اذان میں بعض اوقات کچھ الفاظ زائد کرنے کا ثبوت بعض احادیث سے ملتا ہے۔ مثلاً صلوفی رحالکم (اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کرلو) یہ الفاظ سردی کی رات میں یا سفر میں یا بارش کی حالت میں کہے جاتے تھے۔ اب سوال ہوا کہ ان زائد الفاظ کا اضافہ بعد اذان ہو یا درمیان اذان شارح بخاری علامہ عینی نے فرمایا کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ہاں دوسری صورت یعنی اذان مکمل کرنے کے بعد ان الفاظ کا بولنا افضل ہے۔ اس پر سراواں کے محققین نے اپنا فیصلہ سنایا کہ ''میرے خیال میں اسے حی علی الصلوٰۃ کی جگہ پر ہی ہونا زیادہ بہتر ہے۔'' اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ: ''دوسری صورت پر غور کریں اس کے مطابق موذن حی علی الصلوٰۃ کے ذریعہ نماز کی دعوت دے اور پھر صلوافی رحالکم کہہ کر منع کرے۔ ظاہر ہے پہلی صورت کے بالمقابل یہ غیر مناسب ہے۔ (مسئلہ اذان واقامت، ص ۳۰)

ع　　بریں عقل و دانش بباید گریست

سنتا تھا مریدوں سے بہت پیر کی باتیں
نزدیک سے دیکھا تو ہے پگڑی کے سوا ہیچ

واقعی صرف پگڑی ہی رہ گئی ہے۔ پگڑی کے نیچے جو سر ہے اس میں عقل و دانش کے بجائے صرف غرور اور گھمنڈ بھرا ہوا ہے۔

ناظرین آپ ہی غور فرمائیں! موذن حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی صلوافی رحالکم کہتا ہے۔ تو گویا نماز کے لیے بلا کر لوگوں کو نماز سے منع کرتا ہے۔ اس سمجھداری پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ حی علی الصلوٰۃ کا معنی ہے آؤ نماز کی طرف اور صلوافی رحالکم کا معنی ہے اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لو!! جس کا واضح مطلب ہوا کہ موذن نماز کی دعوت دے کر سخت سردی یا بارش یا شدید کیچڑ کی وجہ سے قیام گاہ میں نماز پڑھ لینے کی ہدایت دے رہا ہے۔ اس میں نماز سے روکنے والی بات کہاں سے پیدا ہوگئی۔ صلوافی رحالکم کا کون سا لفظ ممانعت اور روک پر دلالت کرتا ہے۔

اہل سراواں کی یہ نادر تحقیق سرواں والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مبلغ علم کا تو یہ عالم ہے اور دماغ ہے کہ آسمانی سرحدوں کو پار کر رہا ہے۔ کبھی امام احمد رضا کی تحقیق پر تنقید کر رہے ہیں۔ کبھی علامہ عینی کو نیچا دکھانے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

علامہ عینی نے صلوانی رحالکم کے اضافے کی دو صورت بتائی تھی۔ پہلی صورت یہ کہ اذان ختم کر کے صلوافی رحالکم کہا جائے۔ اور دوسری صورت یہ بتائی کہ درمیان اذان حی علی الصلوٰۃ کے ساتھ ہی فوراً بعد صلوافی رحالکم کہہ دے۔ دوسری صورت کو افضل قرار دیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ سے نماز کی دعوت دی گئی ہے اور صلوافی رحالکم میں نماز پڑھ لینے کی صورت بتائی جارہی ہے۔ تو مناسب ہی نہیں بلکہ افضل یہ ہوا کہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ادا کیے جائیں۔ درمیان میں غیر متعلق الفاظ سے فصل نہ کی جائے۔ ہاں اگر کوئی پوری اذان ختم کر کے صلوافی رحالکم کہے تو یہ بھی جائز ہے۔

اتنی واضح بات محقق سراواں کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اور ہمہ دانی کے غرور میں چور ہو کر لکھ مارا کہ ''پہلی صورت کے بالمقابل یہ صورت غیر مناسب ہے۔ اور کمال یہ کیا کہ اپنا خیال قارئین کتاب کے ذہن وفکر میں زبردستی ٹھوسنے کے لیے لکھا۔ ظاہر ہے پہلی صورت کے بالمقابل یہ غیر مناسب ہے۔''

بھائی صاحب! ظاہر یہ نہیں ہے۔ ظاہر تو وہ ہے جو علامہ عینی نے فرمایا علامہ عینی کی ترجیح ظاہر بھی ہے، افضل بھی ہے، بہ آسانی ذہن وفکر میں اتر جانے والی بھی ہے۔ اس کے برعکس آپ کا خیال مبارک خلاف ظاہر ہے۔ غیر مناسب ہے افضلیت سے خالی اور صرف جائز ہے۔

دوسری مثال: پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

ہنس کے وہ پوچھتے ہیں درد کہاں ہوتا ہے
ایک جگہ ہو تو بتاؤں کہ یہاں ہوتا ہے

مرتب نے ایک شبہ وارد کیا ہے اور خود ہی اس شبہے کا جواب دیا ہے۔ ناظرین پہلے حوالہ ملاحظہ فرمائیں پھر آنکھوں میں دھول جھونکنے اور خانقاہ میں بیٹھ کر عوام مسلمین کو فریب دینے کا خانقاہی جلوہ دیکھیں گے۔ بلکہ اگر موقع ملے تو اہل سرواں سے پوچھیں کہ قلم اور فکر وتدبر کا یہ بدتر استعمال تصوف کے کس شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔

محقق سراواں لکھتا ہے ''بعض لوگوں کو اس طرح دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ تعامل وتوارث نص کے خلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں علیٰ باب المسجد آیا ہے۔ جو اس بات پر دلیل ہے کہ اذان ثانی مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اس حوالے سے عرض ہے کہ مسلمانوں کا یہ تعامل وتوارث نص کے خلاف اس لیے نہیں ہے کہ حدیث میں مسجد کے اندر اذان دینے کی ممانعت پر کوئی نص نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کیونکر کہنا درست ہوگا کہ یہ نص کے خلاف ہے۔'' (مسئلہ اذان واقامت، ص ۵۳)

اس چنے منے محقق سے کوئی پوچھے کہ (۱) نص کی کتنی قسمیں ہیں (۲) کیا نص کے لیے الفاظ وصراحت ضروری ہیں (۳) حدیث فعلی یا تقریری نص ہے یا نہیں (۴) فقہاء کرام کی تصریحات نص ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو دینی امور میں ان کی حیثیت کیا ہے۔ (۵) جو کام عہد رسالت میں ہوتا آیا زمانہ صدیقی میں ہوتا رہا اور دور فاروقی کا معمول رہا اس کے خلاف ہشام ابن عبد الملک کا رائج کردہ طریقہ سنت کے موافق ہے یا مخالف۔ (۶) اگر موافق ہے تو آپ کے محقق عصر علامہ سعیدی صاحب کے اس بیان کا کیا مطلب ہوا: ''اذان دینے کا افضل طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا جس طریقہ سے آپ کے سامنے اذان دی جاتی رہی۔'' (مسئلہ اذان واقامت، ص ۳۲)

افسوس! بے چارے محقق کا شبہ، شبہ ہی رہا۔ اس کا ازالہ نہیں ہو پایا، اور جسے وہ شبہ کہہ رہے ہیں وہ ایک اٹل حقیقت اور اہم سوال ہے، ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی سنت دیکھیں گے، خلفائے راشدین کا معمول دیکھیں گے، دین میں درآمد ہو جانے والے خلاف سنت رواج کو چھوڑیں گے۔ اور حتی المقدور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے۔ نہ کہ تعامل وتوارث کہہ کر گلے لگائے رکھیں گے۔ اور احیائے سنت کے علمبرداروں کو منھ چڑھائیں گے۔ سرواں والوں نے یہی تو کیا ہے۔ ایک غیر شرعی

اور مکروہ کام کو زبردستی اتباع ہوا وہوس میں اپنے یہاں باقی رکھا۔ اور بجائے شرمندہ ہونے کے اپنے اس فعل بد کو حق ودرست ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور دیا ہے۔

تیسری مثال: محقق سراواں کی ہمہ دانی اور تبحر علمی کا ایک اور جوہر ملاحظہ فرمائیں، ایک جگہ لکھتا ہے:

''دوسری بات یہ ہے کہ اگر فقہا کی عبارت کا یہی مطلب ہوتا کہ کوئی بھی اذان مسجد میں نہ دی جائے۔ خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ، تو پھر یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ فقہاء ایک طرف مسجد میں اذان دینے سے روک رہے ہیں، اور دوسری طرف خود ہی سارے فقہاء علماء اور مشائخ دوسری صدی سے لیکر اب تک مسجد میں اذان بھی دے رہے ہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس حکم میں اذان خطبہ شامل نہیں ہے۔

اگر اس توضیح کو تسلیم نہ کیا جائے تو تمام فقہاء علماء اور مشائخ پر فعل مکروہ کے ارتکاب کا اور قول وعمل کے تضاد کا الزام عائد ہوگا۔'' (مسئلہ اذان، ص ۵۷)

اس پورے اقتباس میں تین باتیں قابل غور ہیں، محقق سراواں کے بقول۔

(۱) فقہا کی جن عبارتوں سے مسجد میں اذان دینا مکروہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے صرف اذان پنج وقتہ۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۲) جن فقہاء نے مسجد میں اذان دینا مکروہ لکھا ہے، وہ سارے فقہاء علماء اور مشائخ دوسری صدی سے لیکر اب تک مسجد میں اذان بھی دے رہے ہیں۔

(۳) مسجد میں اذان کو اگر روک دیا جائے تو سارے فقہاء علماء اور مشائخ پر فعل مکروہ کے ارتکاب کا اور قول وعمل کے تضاد کا الزام عائد ہوگا۔

پہلے دعویٰ کے تعلق سے محقق کو چاہیے تھا کہ کچھ فقہی عبارتیں پیش کرتا، اقوال ائمہ اور فقہائے احناف کی کتابوں سے دلیل لاتا اور پھر ثابت کرتا کہ اذان پنجگانہ اور خطبے کی اذان میں فرق ہے، جب کہ ایسا کچھ نہیں کیا صرف اپنی طرف سے زبردستی کا مفہوم اور منگڑھت توضیح پیش کر کے لکھ مارا کہ: ''اس سے آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوگیا کہ اس قسم کی عبارتیں عام اذانوں سے متعلق ہیں۔ جن کا مقصود دور دور تک آواز پہنچانا ہوتا ہے۔ اذان خطبہ ان عبارتوں سے قطعی طور سے مستثنیٰ ہے۔'' (مسئلہ اذان واقامت، ص ۵۸)

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں میں کہتا ہوں فقہاء کی عبارتیں پیش کرنا تو بڑی بات ہے ان کی عبارات سے آپ اپنا من پسند مفہوم بھی ثابت نہیں کر سکتے جب کہ زمانۂ رسالت اور عہد شیخین کی اذان خطبہ جو خارج مسجد ہوتی تھی قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ دوسرا دعویٰ تو اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آدمی ہنس پڑے۔

بھائی صاحب! جن فقہاء نے مسجد میں اذان کو مکروہ لکھا ہے۔ انہوں نے کب کب اور کہاں کہاں مسجد میں اذان دی ہے۔ ذرا اس کی بھی وضاحت کر دیتے لایعنی باتوں میں تو آپ نے صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اور اتنا اہم کام بھول گئے، میں جانتا ہوں آپ بھولے نہیں بلکہ جان بوجھ کر گول کر گئے ہیں۔ کیونکہ دعویٰ کرنا تو آسان ہے ثابت کرنے میں پسینہ چھوٹتا ہے۔ نمرود نے سیدنا خلیل کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں خدا ہوں۔ حضرت خلیل نے فرمایا ٹھیک ہے خدا وہ ہے جو پورب سے سورج نکالتا ہے اور پچھم میں غروب کرتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو تو بھی ایسا کر کے دکھا۔ نمرود کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔

محقق صاحب! خانقاہ کی چہار دیواری میں بیٹھے بیٹھے آپ جو چاہیں لکھ ڈالیں، لیکن قیامت تک آپ یا آپ کے ہمنوا ثابت نہیں کر سکیں گے کہ ان فقہاء نے کبھی کوئی اذان خطبہ مسجد میں دی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کے زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ تو کیا کسی کے عہد میں یا خود اس کی موجودگی میں کسی جرم کا ہونا اسے مجرم بنا دیتا ہے۔ یہ یزیدیوں کے ہاتھوں حرم کعبہ کی بے حرمتی، مسجد نبوی میں

گھوڑوں کا پاخانہ پیشاب، اور کئی دنوں تک اذان کا ترک ،حرمین طیبین کے بے قصور مسلمانوں کا ناحق خون، یہ سارے کام ہزاروں صحابہ کے عہد اوران کی موجودگی میں ہوئے۔تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اتنے سارے صحابہ نے کعبہ ومسجد نبوی کی توہین کی، ائمہ مجتہدین کے عہد پاک میں مختلف قسم کے فتنے اُٹھے خلق قرآن کا مسئلہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اپنے شباب پر تھا،تو یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ امام احمد بن حنبل نے قرآن کومخلوق کہا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

فقہاء کرام جنہوں نے اذان کوداخل مسجد مکروہ فرمایا اگر ان کے زمانے میں اذان خطبہ اندرون مسجد ہوتی رہی تو انہوں نے اسے مکروہ لکھ کر خود کو بری کرلیا۔ اب کرنے والے جانیں ترک سنت کا وبال ان کرنے والوں پر ہوگا۔ فعل مکروہ کے ارتکاب اور قول وعمل کے تضاد کا الزام ان فقہاء پر عائد نہیں ہو سکتا۔انہوں نے مقدور بھر امر منکر کو بدلنے کی کوشش کرلی ہے۔

حدیث پاک میں ہے جو کوئی بری بات دیکھے تو اسے طاقت سے بدل دے۔ اگر ایسا نہیں کرسکتا تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے۔ اگر اتنا بھی نہیں کرسکتا تو کم از کم دل سے اسے برا جانے۔فقہائے اسلام نے اندرون مسجد اذان کو مکروہ فرما کر بیچ والے درجے پر عمل کیا ہے۔

محقق صاحب! آپ کے تینوں دعووں کا جنازہ حاضر ہے۔آپ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ جی بھر کر ماتم کریں ،سراواں کے مسلک بیزار فضا میں رہ کر وہابیت کو پروان چڑھانے والے اصغر علی مصباحی! اب تو آپ کی یہ شکایت بھی دور ہوگئی ہوگی جو آپ نے لکھا ہے کہ: ''آپ (اعلیٰ حضرت) سے پہلے مالکی علماء میں علامہ ابن رشد، علامہ ابن الحاج اور علامہ شاطبی اگر چہ اس بات کے قائل تھے کہ یہ بدعت ہے لیکن ان میں سے کسی کے حوالے سے ہمیں یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے اذان ثانی کے خارج مسجد کرانے کی تحریک چلائی ہو۔اور خارج مسجد رائج کرنے کی کوشش کی ہو۔'' (مسئلہ اذان،ص ۴۸۔۴۹)

کیونکہ امر منکر کو دور کرنے کی حدیث پاک میں تین ہی صورت بتائی گئی ہے۔آپ کے نامزد مالکی علماء نے بیچ والی صورت اختیار کی ہے۔لہٰذا یہ اذان ثانی کو خارج مسجد رائج کرنے کی درمیانی کوشش ہوئی۔اسے آپ تحریک سمجھیں، تبلیغ سمجھیں، یا امت مصطفےٰ کو راہ سنت پر قائم رکھنے کی پر خلوص کوشش سمجھیں۔

ہاں تحریک سے مراد اگر آپ کی یہ ہے کہ ان فقہاء نے سڑکوں پر جلوس نہیں نکالے، اندرون مسجد اذان بند کرو، کا بینر لگا کر دھرنا پر نہیں بیٹھے، بھوک ہڑتال نہیں کی، اذان ثانی داخل مسجد دینے والوں پر لاٹھی چارج نہیں کی، تو یہ نہ ان کے شایان شان ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔آپ بے فکر ہوکر مسجد میں اذان دیتے دلاتے رہیئے! خلاف سنت مکروہ کاموں کو مسلمانوں میں رائج کرتے رہیئے، لفظی توڑ مروڑ سے مکروہ کو سنت اور ممنوع کو افضل ٹھہراتے رہیئے آپ آزاد ہیں۔مالکی علماء نے کوئی تحریک نہیں چلائی، حنفی علماء بھی کوئی تحریک نہیں چلائیں گے۔وہابیوں نے کوا کو حلال اور کار ثواب بنا کر کھایا۔ آپ مکروہ کو سنت بنا کر گلے سے لگایئے۔عہد فاروقی تو ہے نہیں جو چورا ہے پر باندھ کر دُرّے لگائے جاتے۔آپ بےفکر و بے خوف ہوکر اپنا کام کریں۔اکابر دین کو گالیاں دیں، ان پر طعن وتشنیع کریں، اپنی لایعنی باتوں کو تحقیق کا نام دے کر اساطین دین کو نیچا دکھائیں، نفس پرستی کے جنون میں آ کر اپنی چند مساجد کو چھوڑ کر اہل سنت کی ہزاروں مساجد کو جہاں باہر اذان ہوتی ہے نشانہ بنائیں۔مضحکہ اُڑائیں، اعتدال کے نام پر فتنے برپا کر کے اہل سنت کا مذہبی سکون غارت کریں،موجودہ حکومت اور اسلام دشمن طاقتوں کے مظالم سے سسکتے اور بلکتے مسلمانوں کو مسجد میں بھی سکون نہ لینے دیں، وہابیوں اور دیوبندیوں سے سانٹھ گانٹھ کرکے اذان واقامت کے مسنون اور علامتی طریقوں

کو مٹائیں اور پھر گڑ گو برایک کر کے اپنے مشن کی کامیابی کا جشن منائیں۔ بلکہ ناصر رامپوری خوشتر نورانی، ذیشان مصباحی، نوشاد چشتی، اور ضیاء الرحمان علیمی جیسے بدنام زمانہ اور سنیت کے نام پر بدنما داغوں کو اپنے ساتھ ملا کر بھجن گائیں کہ:

ہم سراواں سے خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

مستقبل کے خطوط:

بروقت انہیں چند باتوں کو قلمبند کر کے اپنا قلم بند کر رہا ہوں۔ ہاں جماعت کے بڑوں نے اگر اجازت دی۔ اور ضرورت دیکھی گئی تو مندرجہ ذیل عناوین پر اظہار خیال ناظرین کے حوالے کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۱) سراواں کا تاریخی پس منظر۔
(۲) اہل سراواں کی مذہبی بیزاری اور وہابیت کی پیروی۔
(۳) پیر صاحب کی غنڈہ گردی۔
(۴) اہل سراواں علمائے اہل سنت کی نظر میں۔
(۵) مسئلہ اذان واقامت آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ایک کوشش ہے۔
(۶) لا تجتمع امتی علی الضلالہ کے تناظر میں اہل سراواں کا چہرہ۔
(۷) میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو۔
(۸) غوث اعظم کے قول سے عوام کو دھوکہ۔
(۹) لفظ ''عند'' کی صحیح تحقیق اور اس کے مفہوم کا دائرہ۔
(۱۰) امت کی اکثریت یا بڑا طبقہ خارج مسجد اذان کا قائل ہے۔
(۱۱) بین یدیہ کا مطلب اور اس کے اطلاق کا دائرہ۔
(۱۲) اذان کی شرعی حیثیت۔
(۱۳) اذان نماز اور اذان خطبہ میں فرق ہے یا نہیں۔
(۱۴) اذان ذکر ہے تو مسجد میں مکروہ کیوں۔
(۱۵) مسجد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روکنے کا کچا بہانہ۔

□□□

الملفوظ کے حوالہ سے ایک خلجان کا ازالہ

محمد میثم عباس قادری

''کراماتِ اعلیٰ حضرت'' نامی کتاب میں اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت علامہ مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے منسوب ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، واقعہ کچھ یوں ہے:

''اعلیٰ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب بیان فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت بنارس تشریف لے گئے ایک دن دوپہر کو ایک جگہ دعوت تھی۔ میں ہمراہ تھا۔ واپسی میں تانگے والے سے فرمایا اس طرف فلاں مندر کے سامنے سے ہوتے ہوئے چل۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت بنارس کب تشریف لائے اور کیسے یہاں کی گلیوں سے واقف ہوئے۔ اس مندر کا نام کب سنا؟ اسی حیرت میں تھا کہ تانگہ مندر کے سامنے پہنچا دیکھا کہ ایک سادھو مندر سے نکلا اور تانگہ کی طرف دوڑا۔ آپ نے تانگہ رُکوا دیا۔ اس نے اعلیٰ حضرت کو ادب سے سلام کیا اور کان میں کچھ باتیں ہوئیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ پھر وہ سادھو مندر میں چلا گیا۔ ادھر تانگہ بھی چل پڑا۔ تب میں نے عرض کی: حضور! یہ کون تھا؟ فرمایا ''ابدالِ وقت'' عرض کی: مندر میں؟۔ فرمایا آم کھایئے، پتے نہ گنئے''۔

یہ واقعہ بعدازاں ''امام احمد رضا اور تصوف'' (صفحہ ۹۸ مطبوعہ مصلح الدین پبلیکیشنز، کھارادر، کراچی) اور دیگر کتب میں بھی نقل کیا گیا۔

مفتی مجاہد دیوبندی نے اس واقعہ کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرتے ہوئے اس کا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا:

''احمد رضا کے ہندوؤں سے تعلقات''۔ ملاحظہ ہو کتاب ''ہدیۂ بریلویت'' ،صفحہ ۱۵۵ (مطبوعہ دارالنعیم، اردو بازار، لاہور) سوشل میڈیا پر بھی اس واقعہ کی بنا پر دیوبندیوں کی جانب سے مختلف قسم کے فضول تبصرے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ اس اعتراض کا مختصر جواب دے دوں تاکہ معترضین کے منہ بند ہو سکیں۔

مؤمنِ آلِ فرعون:

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ (سورۂ مؤمن: ۲۸) ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی: ''اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں، جو چھپاتا تھا اپنا ایمان''۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا:

''یعنی ایک مردِ مومن جس نے فرعون اور اُس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا''۔

سیدی اعلیٰ حضرت کے متعلق بیان کردہ واقعہ (بشرط صحتها) میں سادھو کی شکل میں جو شخص اعلیٰ حضرت کو مِلا وہ بھی مؤمنِ آلِ فرعون کی طرح اپنا ایمان چھپاتا تھا اِسی لیے اس روپ کو اپنائے ہوئے تھا، وگرنہ اگر وہ معاذاللہ مسلمان نہ

ہوتا تو اعلیٰ حضرت کبھی بھی اس کو ''ابدالِ وقت'' نہ کہتے۔ اس اعتراض کے جواب میں اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ذیل میں دیوبندیوں کے نزدیک مُسلّمہ کتب سے ''علاج بالمثل'' کے لیے کچھ الزامی جوابات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ دیوبندی معترضین کو مزید افاقہ ہو۔

مقامِ صدیقیت پر فائز مسلمان بادشاہ عیسائی کے روپ میں:

جس کتاب سے یہ واقعہ پیش کیا جارہا ہے اس کے متعلق عرض کردوں کہ اس کتاب کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کے کہنے پر کیا گیا، چنانچہ اس کے شروع میں ناشر محمد زکی دیوبندی نے تھانوی صاحب کے ایک وعظ کا اقتباس نقل کیا ہے، جس میں تھانوی صاحب نے کہا:

> ''اہلِ محبت کے تذکرے دیکھا کرو، میں نے ایک کتاب ''روض الریاحین'' کا جس میں پانچ سو بزرگوں کی حکایتیں ہیں، اردو میں ترجمہ کرادیا ہے، پانچ سو وہ اور پانچ سو دوسری معتبر حکایتوں کا اضافہ کرکے اس کا لقب ''ہزار داستان'' رکھا ہے جو عنقریب چھپ جائے گی۔ میرا یقین ہے کہ جو شخص ساری کتاب اچھی طرح سمجھ کر دیکھے گا ضرور عاشق ہوجائے گا، آخر ایک ہزار عشاق کا تذکرہ دیکھنے سے کہاں تک اثر نہ ہوگا''۔

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روض الریاحین صفحہ ۴ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی۔ مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

دیوبندی ناشر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ (یہ کتاب):

> ''پاکستان میں دستیاب نہ تھی، لہٰذا اسے شائع کرنے کا حکم حضرت تھانوی کے خلیفۂ خاص مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے احقر کو دیا''

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روض الریاحین صفحہ ۴ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی۔ مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

نوٹ: اس اقتباس میں دیوبندی علما کے ساتھ کلماتِ ترحیم اور القابات دیوبندی ناشر کی جانب سے لکھے گئے ہیں۔

پیش کیے گئے ان اقتباسات سے اس کتاب کی ثقاہت دیوبندی مذہب کے دوا کابر علما سے ثابت ہوگئی، اب واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''شیخ مغادری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں چند سال تک جنگ کا شوقین رہا اور چند سال سیر و سیاحت کا حریص رہا، میں بعض کاموں کے سبب حکمائے کفار کے شہروں میں داخل ہوتا تھا اور پوشیدہ ہوجانا میرے اختیار میں تھا، اگر میں چاہتا تو وہ مجھے دیکھ سکتے تھے اور اگر نہیں چاہتا تھا تو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک بار حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ میں ان کے شہر میں داخل ہوجاؤں اور ایک صدیق سے ملاقات کروں، چنانچہ میں پہنچا اور اپنے آپ کو انہیں دکھایا، انہوں نے مجھے گرفتار کرلیا اور میرا گرفتار کرنے والا بہت خوش ہوا اور میری مشکیں باندھ کر بازار میں لے آیا تاکہ مجھے بیچے اور یہی طریقہ مجھے بھی مطلوب تھا جس کا مجھے حکم ہوا تھا، اس سے مجھے ایک معتبر آدمی سوار نے خریدا اور مجھے گرجا پر وقف کردیا تاکہ میں اس کی خدمت کیا کروں۔ میں ایک مدت تک اس کی خدمت کرتا رہا، ایک دن گرجا میں ان لوگوں نے بہت سے فرش بچھائے اور بَخور جلایا اور بہت سی خوشبو کی گئی۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بادشاہ کی عادت ہے کہ سال میں ایک بار گرجا میں آتا ہے اب اس کی زیارت کا وقت آگیا ہے، ہم اس کے واسطے

تیاری کررہے ہیں اور گرجا کو خالی کردیتے ہیں۔ وہ تنہا ہی آکر اس میں عبادت کرتا ہے۔ جب انہوں نے دروازہ بند کردیا تو میں صرف وہاں رہا اور ان کی نظر سے چھپ گیا، وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ اتنے میں بادشاہ آگئے اور ان کے واسطے دروازہ کھولا گیا اور وہ تنہا داخل ہوئے اور دروازہ بند کردیا گیا۔ پھر وہ گرجا میں چاروں طرف تلاش کرتے پھرتے رہے، انہیں میں دیکھتا تھا اور وہ مجھے نہیں دیکھتے تھے، جب اطمینان کرلیا تو قربان گاہ میں پہنچے جو گرجا میں تھا اور قبلہ کی جانب منہ کرکے تکبیر کہی، اس وقت مجھ سے فرمایا گیا کہ کہ یہ وہی ہیں جن سے ہم تمہیں ملانا چاہتے ہیں، چنانچہ میں ظاہر ہوکر ان کے پیچھے سلام پھیرنے تک کھڑا رہا، سلام پھیر کر انہوں نے میری طرف دیکھا، کہا تُو کون ہے؟ میں نے کہا! آپ جیسا مسلمان ہوں۔ فرمایا تمہیں یہاں کون چیز لے آئی؟ میں نے کہا آپ۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ مجھے آپ سے ملنے کا حکم ہوا تھا اور اس کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔ مگر اس صورت سے کہ قید ہوکر بکوں، اور وہ مجھے گرجا کا خادم بنادیں اور ہر موقعہ پر میں نے ان کو اپنے اوپر قادر کردیا تاکہ ملاقات حاصل ہوجائے، مجھ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے، میں نے ان کا حال کشف سے دیکھا، انہوں نے میرا حال دیکھا، میں نے انہیں درجۂ صدّیقین میں پایا۔ میں نے کہا آپ کی ان کفار کے درمیان باطنی حالت کیا ہوگی؟ فرمایا اے ابوالحجاج! مجھے ان کے درمیان بڑا نفع ہے اور مسلمانوں کے درمیان رہ کر ویسے فوائد نہیں حاصل ہوسکتے۔ میں نے کہا بیان فرمایئے۔ فرمایا کہ میرا توحید اور اسلام

اور اعمال صرف اللہ ہی کے واسطے خالص ہیں، کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہے اور حلال کھاتا ہوں جس میں کوئی شُبہہ نہیں ہے اور مسلمانوں کو نفع پہنچاتا ہوں اگر ان کا بڑا بادشاہ میں ہوتا تو بھی انہیں کفار سے بچانہ سکتا۔ انہیں کفار کے شر سے بچاتا ہوں کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا اور کفار کے درمیان قتل وفساد ایسے ایسے کراتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہوتا تو بھی نہ کرسکتا۔ انْ شَاءَاللہ میں عنقریب اپنے چند تصرفات تمہیں دکھاؤں گا، پھر ہم نے ایک دوسرے کو وداع کیا اور میں لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوگیا اور بادشاہ نکل کر گرجا کے دروازہ پر جابیٹھے اور کہا گرجا کے سارے مخصوص لوگوں کو حاضر کرو چنانچہ حاضر کرکے پیش کیے گئے اور کہا گیا یہ اس کے بطریق یعنی عالم ہیں، یہ شماس ہیں یعنی محافظ ہیں، یہ راہب ہیں، یہ ناظر اوقاف ہیں۔ اور یہ اس کی جائیداد کا محصول وصول کرنے والا ہے۔ فرمایا! اس کی خدمت کون کرتا ہے؟ لوگوں نے اس شخص کو بتلایا جس نے مجھے خرید کر گرجا پر وقف کیا تھا اور کہا اس نے ایک قیدی کو خرید کر اس پر وقف کیا۔ اس پر بہت غصہ کا اظہار فرمایا اور کہا کیا تم سب کے سب خدا کے گھر کی خدمت سے متکبر ہوگئے اور ایک شخص کو جو غیر ملت کا نجس ہے اُس سے خدا کے گھر کی خدمت لیتے ہو اور تلوار لے کر اس کی آڑ میں کہ خدا کے گھر کو تم نے نجس کردیا، سب کی گردن ماری اور میرے احضار کا حکم کیا۔ میں ان پر ظاہر ہوگیا، انہوں نے مجھے پیش کیا، فرمایا یہ ایسے گرجا کا کادم ہے جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے تکبر کے مقابلہ میں تو یہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو عزت و تعظیم اور خلعت

وسواری دے کر اس کے وطن اور اہل کے پاس پہنچایا جاوے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مین اپنے وطن لوٹ آیا''

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روض الریاحین صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۰ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی۔ مترجم مولوی جعفر علی نگینوی)

معترض دیوبندی بتائیں کہ کیا اس واقعہ میں خود کو عیسائی ظاہر کرنے والے مسلمان بادشاہ کو بھی (جو مقامِ صدیقیت پر فائز تھا) عیسائیت کے ساتھ منسوب کر کے، ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کریں گے؟ اگر نہیں تو صرف اعلیٰ حضرت ہی نشانہ کیوں؟۔ ''نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روض الریاحین'' کو مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی اور مفتی شفیع دیوبندی کی تائید حاصل ہے، اس لیے وہ بھی اس واقعہ کے تائید کنندہ قرار پاتے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ دیوبندی اپنے ان اکابر پر فتوی لگاتے ہیں یا حسبِ روایت زبان بند رکھتے ہیں۔

مولوی محمد حسن مؤلف ''کشف الاستار'' ہندو کے روپ میں:

☆ دیوبندی مذہب کے مزعومہ حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''مولوی محمد حسن نے بڑی تلاش اور دُور دَراز پاپیادہ سفر اور ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض کی حیثیت سے تادیر رہ کر معلوم کیا کہ ہندوؤں کے رشیوں نے اپنے ملفوظات میں دس اوتاروں کے آنے کا عقیدہ ظاہر کیا ہے''۔

(حقانیتِ اسلام غیر مسلم اقوام کی نظر میں صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ مکتبہ حکیم الامت، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی۔ طبع اگست ۲۰۰۸ء)

تھانوی صاحب نے اس اقتباس میں لکھا ہے کہ مولوی حسن صاحب ''ہندو فقیروں اور سادھوؤں کی صحبت اور خدمت میں ایک مرتاض'' یعنی ''ریاضت کرنے والے'' کی حیثیت سے رہے۔

تھانوی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''مؤلف کشف الاستار مولوی محمد حسن نے (صورۃً) ہندو بن کر بنارس میں اور اجودھیا میں ایک زمانہ تک تحصیل علوم ویدکی، اور بڑے بڑے پاک نفس برہمنوں اور خدارسیدہ سادھوؤں کی صحبت حاصل کی۔ انہوں نے دیکھا اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں تارک الدنیا جوگی کسی بڑی ہستی اور کسی تعریف کی ہوئی ذات کی یاد میں بھجن گاتے اور اس کی جے مناتے''۔

(حقانیتِ اسلام غیر مسلم اقوام کی نظر میں صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ مکتبہ حکیم الامت، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی۔ طبع اگست ۲۰۰۸ء)

اس اقتباس میں دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے مولوی محمد حسن صاحب کے بارے میں یہ الفاظ واضح طور پر لکھے ہیں کہ ''وہ ہندو کی صورت میں'' برہمنوں اور سادھوؤں کی صحبت میں رہے۔ تھانوی صاحب نے ان سادھوؤں کے لیے ''خدارسیدہ'' یعنی ''خدا تک پہنچے ہوئے'' جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں، اور ہندو کی صورت میں جوگیوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مولوی محمد حسن صاحب کا رد بھی نہیں کیا۔ اور دیوبندیوں کے امام مولوی سرفراز گکھڑوی نے لکھا ہے:

''جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں نقل کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے''

(تفریح الخواطر صفحہ 79 مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، نزد مدرسہ نصرۃ العلوم، گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ)

مزعومہ دیوبندی مناظر اور مولوی الیاس گھمن دیوبندی کے معتمد مولوی ابوایوب دیوبندی نے بھی اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''اگرچہ عبارت پیر نصیر الدین گولڑوی کی ہے مگر تبسم احب نے اسے رد کہیں بھی نہیں کیا پوری کتاب میں، تو یہ اب تبسم کے گلے کی ہڈی ہے''

(دفاعِ ختم نبوت اور صاحبِ تحذیر الناس صفحہ 20 مطبوعہ دار النعیم، عمر ٹاور، حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ طبع اول اکتوبر ۲۰۱۵ء)

مولوی سرفراز گکھڑوی دیوبندی اور مولوی ابوایوب دیوبندی کے پیش کیے گئے ان دونوں اقتباسات کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ: ''تھانوی صاحب بھی مولوی محمد حسن صاحب کے ہندو کی صورت میں رہنے کو درست سمجھتے ہیں اسی لیے ان کا رد نہیں کیا''۔ لیکن دوسری طرف تھانوی صاحب کے پیروکار دیوبندی اسی طرح کے ایک واقعہ کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرتے ہیں، لہٰذا ان معترض دیوبندیوں سے گذارش ہے کہ ''روض الریاحین'' سے پیش کیے گئے واقعہ اور تھانوی صاحب کی اپنی کتاب سے پیش کیے گئے مذکورہ بالا دو اقتباسات کی وجہ سے تھانوی صاحب کے متعلق بھی اُسی طرح کا تبصرہ کیا جائے جیسا اعلیٰ حضرت کے متعلق کیا جاتا ہے۔

بابا گرونانک، حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکر رَحْمَۃُاللّٰہِ عَلَیْہ کے خلیفہ تھے: مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کا مؤقف

دیوبندی مذہب کے ایک اور امام مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کی مستند سوانح عمری سے دو اقتباسات ملاحظہ کریں، پہلے اقتباس میں لکھا ہے کہ گنگوہی صاحب نے سکھوں کے پیشوا بابا گرونانک کے بارے میں کہا:

☆''ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ نانک جن کو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں، حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکر رَحْمَۃُاللّٰہِ عَلَیْہ کے خلفا میں سے ہیں، چونکہ اہلِ جذب سے تھے اس وجہ سے ان کی حالت مشتبہ ہوگئی، مسلمانوں نے کچھ ان کی طرف توجہ نہ کی، سکھ اور دوسری قومیں کشف وکرامات دیکھ کر ان کو ماننے لگے''۔

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور)

ایک بزرگ پوشیدہ ہوکر مندر میں تبلیغ کرتے تھے، مولوی رشید گنگوہی دیوبندی:

کچھ صفحات بعد مزید لکھا ہے کہ گنگوہی صاحب نے کہا:

☆''شاہ حکیم اللہ صاحب ایک بزرگ سہارنپور میں رہتے تھے، اُن کی خدمت میں ایک شخص بغرضِ سلام حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ حضرت میں حیدرآباد دکن کو جاتا ہوں، شاہ صاحب نے فرمایا اچھا جاؤ، ''حیدرآباد کے راستہ میں فلاں شہر پڑے گا اُس شہر کے متصل ایک جھڑی ہے اُس میں ایک بزرگ رہتے ہیں، یہ اُن کا نام ہے، اُن سے ملنا اور میرا سلام کہنا'' یہ شخص رخصت ہوکے حیدرآباد روانہ ہوئے، شاہ صاحب کے ارشاد کے موافق جب جھڑی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک مندر بنا ہوا ہے اس کی چاردیواری کے گرد بہت سے ہندو فقیر الگ الگ بُت ہاتھوں میں لئے پوجا کررہے ہیں، یہ شخص بہت متحیر ہوا کہ یہاں یہ کیا قصہ ہورہا ہے، آخر آگے بڑھا اور ایک ہندو فقیر سے پوچھا کہ اس مندر میں کون رہتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہمارا گرو رہتا ہے۔ انہوں نے نام پوچھا تو وہی تھا جو شاہ صاحب نے بتایا تھا، اِس شخص نے فقیر سے کہا کہ اپنے گرو کو اطلاع کردو کہ ایک شخص شاہ حکیم اللہ سہارنپوری کا بھیجا ہوا سلام کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے، ہندو فقیر نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو وہاں تک

پہنچ نہیں سکتے البتہ تمہارا پیام ڈیوڑھی کے فقیروں تک پہنچا تا ہوں وہاں سے سلسلہ بہ سلسلہ گرو جی تک پہنچ جائے گا۔غرض اس طرح پر جب پیام اندر پہنچا تو انہوں نے اِن مہمان مسافر کو اندر بُلا لیا، وہاں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک بزرگ سفید ریش صاف ستھرے چبوترہ پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں، جب فارغ ہو کر کلامِ مجید جزدان میں رکھ لیا، تو اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور سلام وکلام ہوا، اِس شخص نے کہا کہ حضرت یہاں کے قصے نے تو مجھے حیران بنا دیا، باہر بُت پرست جوگیوں کا مجمع کیسا ہے؟ بزرگ نے فرمایا: میاں کیا پوچھتے ہو باہر جتنے لوگ معتقد بنے بیٹھے ہیں سب ہندو ہیں، اُن کو یہاں تک پہنچنے کی ممانعت ہے، جب کسی قدر اُن کی اصلاح ہو جائے گی تو ڈیوڑھی پر آجائیں گے اور پھر جب حالت زیادہ سنورے گی تو یہاں آجائیں گے، یہاں آ کر مسلمان بنیں گے، چنانچہ یہ لوگ جن کو میرے پاس دیکھتے ہو بحمدٖ اللہ سب مسلمان ہیں اور جب مکمل ہو جائیں گے تو اِس سامنے والے دروازہ سے ان کو نکال دوں گا، اس دروازہ سے باہر جانے والے لوگ پھر کبھی باہر کے لوگوں سے نہ ملیں گے، غرض یہی سلسلہ رہے گا یہاں تک کہ میرا وقت پورا ہو جائے، جتنے لوگ تم دیکھ رہے ہو، سب میں فرقِ مراتب ہے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پڑھنے کے لیے بتایا گیا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے اپنا حال کہنے کی ممانعت ہے، اسی طرح بہتیرے خدا کے کافر بندے مسلمان بن کر یہاں سے روانہ ہوئے، اگر کھلم کھلا اسلام کی طرف ان لوگوں کو بُلایا جائے تو یہاں کے لوگ مسلمان کو قتل کر ڈالیں، میں بھی مارا جاؤں اور یہ بھی۔اس لیے اسلام کی خدمت اور دین کی جانب ہدایت کا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے، اس قصہ کے بعد حضرت امامِ ربانی نے ارشاد فرمایا، اسی طرح اکثر بزرگ پوشیدہ ہو کر خلقت کو راہِ ہدایت پر لاتے ہیں، اسی طرح بابا نانک بھی مسلمان تھے اور پوشیدہ ہو کر ہدایت کرتے تھے"۔

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔انارکلی، لاہور)

مولوی رشید گنگوہی دیوبندی کے بیان کردہ مذکورہ بالا دونوں اقتباسات سے گرونانک کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز منقولہ بالا دوسرے اقتباس میں مندر میں رہ کر ہندوؤں کو مسلمان کرنے والے بزرگ کے واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کچھ بزرگ غیر مسلموں کی ہدایت کے لیے ان کے احوال کے مناسب طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔اس لیے اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرنے والے دیوبندی پہلے اپنے گھر کی خبر لیں۔وقت کی کمی اور مصروفیات کی کثرت کے سبب انتہائی عجلت میں اتنا ہی لکھ سکا ہوں، جو کہ غنیمت سمجھتا ہوں۔تمّت۔

اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ شاعری

ڈاکٹر طیب ابدالی

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ دنیائے تصوف کے تابندہ ستارے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ میں بریلی میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام" المختار" تھا اور تخلص "رضا"۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہٗ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت والد بزرگوار ہی کے زیر سایہ ہوئی۔ ذہانت وذکاوت کی وجہ سے بہت جلد درسی کتابوں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ علم فلسفہ اور ہیئت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ سند احادیث مکہ معظّمہ کے اکابرین علماء سے بھی حاصل کی۔ آپ نے خانقاہ مارہرہ کے مشہور بزرگ اور صاحب سجادہ حضرت سید شاہ آل رسول علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور سند خلافت سے بھی نوازے گئے۔ حضرت کے تبحر علمی کا شہرہ نہ صرف ہندوستان تک ہی رہا بلکہ عالم انسانی میں پھیلتا رہا۔ آپ بے شمار کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں۔ فتاویٰ رضویہ آپ کی مشہور تصنیف ہے جس سے آپ کے تبحر علمی اور علوم دینیہ میں دقت نظری کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کا ترجمۂ قرآن مجید منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ آپ کا وصال ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ میں اپنے وطن مالوف بریلی (یوپی) میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

حضرت احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ اگر ایک طرف عالم تبحر، صوفی باصفا، مجدد وقت کی حیثیت سے مشہور ہیں تو اردو شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ کم نہیں۔ اردو شاعری میں نعت گوئی کو جو عروج وکمال حاصل ہے وہ آپ ہی کا مرہون منت ہے۔ آپ کی نعت میں عشق رسول کے ساتھ ساتھ جو والہانہ انداز ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ نعت رسول میں جس ادب واحترام کے ساتھ آپ زمزمہ سنج ہوتے ہیں اور جس اخلاص وعقیدت کے ساتھ بارگاہ نبوی میں اپنے واردات قلبی، کیفیت روحانی اور جذب دروں اور سوز درونی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آپ کے مسلک تصوف میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ اکابرین صوفیہ کا مسلک رہا ہے۔ مسئلہ اس قدر پیچیدہ رہا ہے کہ اہل علم نے اس پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے لیکن پھر بھی اس کی گتھی سلجھ نہ سکی بلکہ اس کی سرحد مسئلہ قضا وقدر کو چھو لیتی ہے۔ اس لیے خاموشی ہی بہتر ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوفیائے کرام نے اور صوفی شعراء نے اس کو دلکش پیرایہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے بھی فنا وبقا، تسلیم

ورضا، صبر وتوکل، وحدت الوجود جیسے دقیق مسائل تصوف کوشعری قالب میں ڈھالا ہے اور یہ آپ کی کامیابی کی بین دلیل ہے۔ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ کا کمال فن ہے کہ تصوف کے سائل دقیقہ کی توضیح کے بجائے عشق رسول کی سرمستی میں اپنے کوگم کرتے ہیں اور جب عشق رسول میں سرشاری ہوئی تو عرفان الٰہی کی آگہی ہوئی۔ اور یہی نعت گوئی نہ صرف طریقت وحقیقت کی سرحد چھولیتی ہے بلکہ اس میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرتی ہے۔ ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یہ چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

مذکورہ بالا اشعار میں کتنے کیف وکم ہیں لیکن نعتیہ انداز ہے۔ مندرجہ ذیل غزل ذوق وشوق اور والہانہ کیف وسرور کی ترجمان ہے۔

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

فصل گل، سبزہ، صبا، مستی، شباب
چھوڑیں کس دل سے درخمار ہم

میکدہ چھٹا ہے اللہ ساقیا
ابکی ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم

حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا یہ شعر بھی اپنی لطافت وصداقت کے اعتبار سے کتنا بالیدہ ہے اور تصوف کے کیسے مسائل اس ایک شعر کی توضیح کے پس پردہ ہیں ملاحظہ ہوئے۔

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پرارمان گیا

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل پیش خدمات ہے جس میں اخلاق وتصوف اور حسن وعشق کا جذبہ تعینات کی سرحدوں سے آگے نکل جاتا ہے۔

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

جس تبسم نے گلستاں پرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تیری بیتابی سے
چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو

نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو

چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے دست جنوں
پرزے کرتا ہے ابھی جیب وگریباں ہم کو

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہہ تاباں ہم کو

اے رضا وصف رخ پاک سنانے کے لیے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

□□□

سلسلہ رشیدیہ اور رضویہ کے یادگار نقوش

مولانا غلام سرور قادری مصباحی: القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ

''۔۔۔ایک دفعہ مفتی اعظم ہند بائسی تشریف لائے بارش کا زمانہ تھا سیلاب آیا ہوا تھا اس زمانے میں پانی کی سطح پر بستیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔ منظر خوشنما ہوتا ہے، مگر کاروبار اور آمدورفت میں دشواری ہوتی ہے۔ سیلاب ندیوں میں رہتا ہے تو قدرے غنیمت ہے لیکن جب گلی کوچوں تک پھیل جاتا ہے تو سمجھ سکتے ہیں کہ کیا دقت ہوتی ہوگی شاہ صاحب کا گھر تارا باڑی ہے۔ جو کنکئ ندی کے اس پار ہے مفتی اعظم ہند نے فرمایا شاہ صاحب کہاں ہیں، ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی مریدین وخدام نے عرض کیا بردو باراں کا موسم ہے ہر طرف پانی بھر چکا ہے ان کا بلانا اور آنا بہت مشکل ہے مفتی اعظم ہند نے فرمایا کوئی سبیل نکالو ان کے بنا اچھا نہیں لگتا، یہ سن کر ایک آدمی شاہ صاحب کو بلا لائے، مفتی اعظم ہند نے فرمایا چلو تمہارے گاؤں چلتے ہیں۔ شاہ صاحب عرض گذار ہوئے سیلابی صورت حال اجازت نہیں دیتی کہ وہاں جانے کی زحمت اُٹھائیں۔۔۔''

اپنے اسلاف اور محسنوں کی خدمات کا تذکرہ کرنا، ان کے پاکیزہ افکار وخیالات کو عام کرنا، ان کے احسانات سے لوگوں کو روشناس کرانا، ان کی روحانیت وپاکیزگی کا چرچا کرنا اور ان کی عزیمت واستقامت کا تعارف کراتے رہنا زندہ اور حساس قوم کی علامت ہے۔ مگر ہماری بے حسی اور اجتماعی غفلت کی وجہ سے بہت ساری ایسی شخصیتیں جو اپنے علمی جاہ وجلال اور بلند افکار ونظریات کے ساتھ یقیں محکم، عمل پیہم، سراپا اخلاق اور جہد مسلسل کے محسوس پیکر تھیں پردۂ خفا میں ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مشربی، علاقی، صوبائی اور ملکی عصبیت کے حدود سے نکل کر اور ''هل جزاء الاحسان الا الاحسان'' کے جذبے کے تحت ایسی اولوالعزم اور عبقری شخصیتوں سے زمانہ کو روشناس کرائیں تا کہ ہم بھی زندہ قوم کہلانے کے حقدار اور ہمارا دامن احسان فراموشی کے بدنما داغ سے محفوظ رہے۔۔

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

انہیں عظیم المرتبت اور قدآور ہستیوں میں سلطان الاساتذہ، رئیس المشائخ، امام الفقہاء حضرت مولانا ابوالوفا عبد القادر عرف شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی آسمان علم وفضل پر مثل ہلال درخشاں اور تابندہ ہے

آپ کی ولادت ۱۹۰۴ء میں بائسی ضلع پورنیہ بہار کے ایک مشہور اور زرخیز گاؤں ''تارا باڑی'' میں ہوئی، آپ کے والد گرامی شیخ امید علی جو خدا ترس، پاکباز اور صوم و

صلاۃ کے پابند تھے، جد امجد کا نام شیخ اسحاق علی تھا۔ اور ۱۹۸۰ء میں وصال ہوا۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ''تاراباڑی'' میں حضرت منشی عبد المجید علیہ الرحمہ وغیرہ سے حاصل کی، پھر گوسہائے گنج، کرندیگھی اتر دیناج پور بنگال میں حضرت مولانا امین الدین جو اپنے وقت کے زبردست اور نامور عالم دین تھے سے فارسی میں درک ومہارت اور حسب ضرورت عربی کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن گھریلو حالات نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ مزید تعلیمی سلسلہ قائم رکھا جائے۔ لھذا اچکلہ گھاٹ کشن گنج بہار میں مدرسہ رشیدیہ کے جادۂ تدریس پر براجمان ہو گئے۔ آپ وہاں بچوں کی تعلیم کے ساتھ جمعہ وعیدین کی امامت بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر کچھ احمقوں اور نااہلوں کی حماقت کی وجہ سے مدرسہ رشیدیہ اور امامت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ دوبارہ تمام تر اعلیٰ تعلیم کیلئے شراز ہند جونپور شریف تشریف لے گئے اور استاذ مطلق حضرت علامہ ہدایت علی جونپوری کی درسگاہ میں ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء میں داخل ہوئے اور ایک عرصہ تک علمی تشنگی بجھانے لگے۔ پھر مرکز اہل سنت بریلی شریف کی شہرۂ آفاق درسگاہ دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں داخل ہوئے اور حضرت علامہ ہدایت علی خاں کے پروردہ، امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت کے تلمیذ وخلیفہ حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے درس لینے لگے۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب بریلی شریف سے اجمیر معلیٰ دار العلوم عثمانیہ میں منتقل ہو گئے تو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ بھی طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ اجمیر شریف آ گئے اور خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابرکت بارگاہ اور دیار پر بہار میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ لیکن دار العلوم عثمانیہ کی بعض ناموافق حالات کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ جب دوبارہ اجمیر معلیٰ سے شہر علم وفن بریلی شریف آئے اور سرکار اعلیٰ حضرت کا قائم کردہ ادارہ ''دار العلوم منظر اسلام'' کی درسگاہ کو رونق بخشی تو حضرت شاہ صاحب بھی ''منظر اسلام'' آ گئے، چند سال رہ کر تعلیم کی تکمیل فرمائی اور ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء میں ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کا تاج زریں سر پر سجایا گیا اور سند وشہادت عطا کی گئی۔

ہمدرس رفقاء ومعاصرین:

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار رضوی لائل پوری، مفتی اعظم کانپور حضرت مفتی محمد رفاقت حسین مظفر پوری، حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز مبارک پوری، ضیغم العلماء والعرفاء حضرت مولانا غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی، شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری، صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، شیخ الادب حضرت مولانا غلام جیلانی گھوسوی، حضرت مولانا نور الحق پورنوی وغیرھم علیھم الرحمہ

بیعت وخلافت:

خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین ولیٔ کامل، عارف باللہ حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش گورکھپوری علیہ الرحمہ (۱۳۷۱ھ) سے بیعت وخلافت حاصل تھی، ابو المحاسن سید شاہ مصطفیٰ علی شہید علیہ الرحمہ (۱۳۷۶ھ) نے بھی مجاز وماذون فرمایا تھا اور سید السادات، سید شاہ عبد الشکور رشیدی علیمی جو بلند شخصیت کے مالک تھے، جب آپ تاراباڑی تشریف لائے تو شاہ صاحب کو جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریس:

تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد بزرگان بریلی خصوصا شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شفقت نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ آپ کہیں اور جائیں چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند نے آپ کو اپنی بااثر محبت میں رکھا، دار الافتاء کی ذمہ داری دی اور قلعہ کی جامع مسجد کی امامت وخطابت پر مامور فرمایا۔ آپ درس وتدریس، فتاویٰ نویسی اور امامت وخطابت کا فریضہ تقریباً دس برس کی مدت تک انجام دیتے رہے۔ لیکن جب رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے گھریلو ذمہ داریاں

بڑھیں اور علاقہ میں آپ کی ضرورت بھی تھی تو آپ نے بریلی شریف کی بہاروں کو نم آنکھوں سے الوداع کہا اور اپنی بستی کے مدرسہ صوفیہ غوثیہ رشیدہ کی درسگاہ کو زینت بخشی، بستی اور قرب وجوار کے طلبہ آپ کے خوان علم سے فائدہ اٹھانے لگے۔ یہ سلسلہ حیات مستعار کی آخری بہار تک چلتا رہا۔

حضرت شاہ صاحب اور تصلب فی الدین:

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ پوری زندگی درس وتدریس، تقریر وبیان، بیعت وارشاد، تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی اور بحث ومناظرہ کے ذریعے مسلک اہلسنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کرتے رہے۔ جہاں کہیں بھی کسی بدعقیدہ نے سر ابھارا فوراً آپ نے اس کی بیخ کنی کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ عقیدے کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت گوارا نہیں فرماتے، اپنوں کے لیے شاخ گل کی طرح لچک اور اغیار کے لیے شمشیر براں نظر آتے، بد مذہب آپ کے مقابلے میں آنے سے گھبراتے تھے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی رقم طراز ہیں۔ ''شاہ صاحب کے خمیر میں آب وگل تو پورنیہ کا تھا۔ مگر رنگ چڑھا تھا بریلی کا، حضرت سرکار آسی کا فیضان تو تھا ہی، بدعقیدگی، بدمذہبی نے جہاں سر ابھارا، وہیں اس کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔ ضمیر اگنڈال، یہ اتر دیناج پور میں ہے۔ وہاں ایک دفعہ مناظرہ کی ٹھن گئی، حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی، جو اس وقت خانقاہ رشیدیہ کے زیب سجادہ ہیں۔ یہ اور حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی دونوں شاہ صاحب کی سرپرستی میں وہاں پہنچ گئے۔ جب یہ شیران ثلاثہ وہاں پہنچے، پالن حقانی دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کہاں روپوش ہوا پتا ہی نہیں چلا۔'' (کاملان پورنیہ، ص ۳۳۴)

حضور مفتی اعظم ہند اور شاہ صاحب کا خطاب:

عطائے رسول حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اول سمندروں جیسی سخاوت، دوم آفتاب جیسی شفقت، سوم زمین جیسی تواضع۔'' (اخبار الاخیار، ص ۵۶)

حضرت علامہ عبد القادر علیہ الرحمہ جب بریلی شریف میں زیر تعلیم تھے آپ بہترین کامیاب خطیب اور ایک خوش گلو شاعر کی حیثیت سے متعارف تھے آپ کی شعر وشاعری اور خطابت شہر اور مضافات شہر میں ہوا کرتی تھی۔ نعت وتقریر سے جو یافت اور نذرانے ملتے دوست واحباب اور حاجت مندوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے جب یہ ادائے خسروانہ اور فیاضی دیکھی تو آپ کو شاہ صاحب کے خطاب سے پکارنے لگے۔ اور یہ خطاب زبان زد خاص وعام ہو گیا۔ اس کو علم کا درجہ حاصل ہو گیا۔ لوگ آپ کا نام جانیں یا نہ جانیں لیکن شاہ صاحب بولا جاے تو مراد آپ کی ذات بابرکات ہوتی ہے۔ کیوں نہ یہ خطاب عام ہو کہ قطب وقت، عارف باللہ اور مادرزاد ولیٔ کامل کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہے۔ سبحان اللہ (کاملان پورنیہ، ص ۳۲۳ ملخص)

حضور مفتی اعظم ہند اور شاہ صاحب پر شفقت:

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ''مَنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡ صَغِیۡرَنَا وَلَمۡ یُوَقِّرۡ کَبِیۡرَنَا'' حدیث پاک کی جیتی جاگتی تصویر اور جوہر شناس تھے۔ علامہ مفتی عبد القادر عرف شاہ صاحب سے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ علم اور عمر دونوں میں بڑے ہونے کے باوجود مفتی اعظم ہند بے انتہا آپ سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ اہلسنت وجماعت کے عالم دین امیر القلم حضرت علامہ غلام جابر شمس مصباحی اس تعلق سے رقم طراز ہیں۔ ''ایک دفعہ شاہ صاحب کئی روز تک دارُ الافتاء نہیں آئے مفتی اعظم ہند نے حاضر باشوں سے پوچھا، بھئی! شاہ صاحب کہاں ہیں؟ دارُ الافتاء کیوں نہیں آتے؟ حاضر باشوں نے جواب دیا وہ بیمار ہیں چیچک میں مبتلا ہیں مفتی اعظم ہند نے

فرمایا، امایار! آپ لوگوں نے بتایا نہیں حیرت ہے، یہ فرما کر سواری منگوائی شاہ صاحب کے ڈیرے پر پہنچے دیکھا تو گورے، چٹے، شاہ صاحب کا پورا چہرہ پورا بدن تپ اور چیچک کے صدمے سے الاؤ انگار کی طرح دہک رہا ہے۔ موت وحیات کی جنگ لڑ رہا ہے۔ نہایت ملول ہوئے اُٹھا کر اپنے کاشانے پر لائے خوب دوا علاج تیمارداری دیکھ ریکھ کی، کرائی، شاہ صاحب تو صحت یاب ہو گئے۔ مگر قدرت کا کرشمہ دیکھئے چند دن نہیں گذرے مفتی اعظم ہند کے اکلوتے کم عمر صاحبزادے حضرت انوار رضا چیچک کے شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ مرض ان کی موت کا سبب بن گیا۔ لوگوں نے چہ می گوئی کی مفتی اعظم ہند کو خبر ہوئی تو مفتی اعظم ہند نے قدرے خفگی، قدرے ڈانٹ کر فرمایا یہ قضا وقدر کی بات ہے کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا۔ انوار میاں کی عمر اتنی ہی تھی خبردار کوئی بدگمانی نہ کرے۔''

''ایک دفعہ مفتی اعظم ہند بائسی تشریف لائے بارش کا زمانہ تھا سیلاب آیا ہوا تھا اس زمانے میں پانی کی سطح پر بستیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔ منظر خوشنما ہوتا ہے، مگر کاروبار اور آمدورفت میں دشواری ہوتی ہے۔ سیلاب ندیوں میں رہتا ہے تو قدرے غنیمت ہے لیکن جب گلی کوچوں تک پھیل جاتا ہے تو سمجھ سکتے ہیں کہ کیا دقت ہوتی ہوگی شاہ صاحب کا گھر تارا باڑی ہے۔ جو کنکئ ندی کے اس پار ہے مفتی اعظم ہند نے فرمایا شاہ صاحب کہاں ہیں، ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی مریدین وخدام نے عرض کیا بردو باراں کا موسم ہے ہر طرف پانی بھر چکا ہے ان کا بلانا اور آنا بہت مشکل ہے مفتی اعظم ہند نے فرمایا کوئی سبیل نکالو ان کے بنا اچھا نہیں لگتا، یہ سن کر ایک آدمی شاہ صاحب کو بلا لائے، مفتی اعظم ہند نے فرمایا چلو تمہارے گاؤں چلتے ہیں۔ شاہ صاحب عرض گذار ہوئے سیلابی صورت حال اجازت نہیں دیتی کہ وہاں جانے کی زحمت اُٹھائیں، مفتی اعظم ہند نے فرمایا، پھر آپ کیسے آئے، جیسے آپ آئے ویسے میں بھی جا سکتا ہوں، شفقت کا بادل اتنا مائل بہ کرم ہو مفتی اعظم ہند کی حیات میں شاید ایسا دوسرا واقعہ نہیں۔ یہ محض کوئی واقعہ نہیں قلبی لگاؤ کا کیسا گہرا نقش ہے ''ذرا دیکھو جو عبرت نگاہ ہو''

اسی طرح ایک دفعہ مفتی اعظم بائسی سے روانہ ہو رہے ہیں۔ شاہ صاحب بازار میں ہیں مفتی اعظم فرماتے ہیں، امایار! شاہ صاحب کہاں ہیں؟ حاضرین عرض کرتے ہیں، حضور وہ بازار میں وقت تنگ کرتا ہے۔ آگے سواری چھوٹ جائے گی، مفتی اعظم فرماتے ہیں۔ سواری چھوٹتی ہے تو چھوٹنے دو مگر پہلے ہمیں شاہ صاحب سے ملنے دو خدام سمجھ جاتے ہیں ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ اندر بازار سے بلا لاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے کہا آپ لوگ نہ گھبرایئے سواری نہیں چھوٹے گی اطمینان رکھیئے شاہ صاحب آئے ملاقات ہوئی اس بیچ سواری نکلنا چاہتی تھی مگر کسی خرابی کی باعث نہ چل سکی۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی پھر حاضرین ومعتقدین نے الوداع کہا، سواری چل پڑی۔ نہ یہاں دیر ہوئی نہ وہاں تاخیر ہوئی یہ تھے مفتی اعظم ہند اور ان کے شاہ صاحب کے تعلقات اور ان کی چند جھلکیاں۔ (کاملان پورنیہ، ص ۲۸، ۳۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ بزگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماءے اور مسلک اہل سنت وجماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت پر قاءیم وداءیم رکھے۔ آمین بجاہ سید الانبیا والمرسلین صلیٰ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

□□□

تین طلاق کا مسئلہ اور ملکی سیاست

مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی: ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

آر ایس ایس کے زہریلے خمیر سے اٹھنے والی بی جے پی جب اپنی شرمناک تگڑم بازیوں کے ذریعہ برسر اقتدار آئی تھی، اسی وقت یہ یقین ہو چلا تھا کہ ہندو مسلم میں نفرتوں کی آبیاری کرنے والی یہ پارٹی مذہبی عداوتوں کی فصل ضرور کاٹے گی لیکن وہ اس میں اتنی جلد بازی کرے گی، اس کا اندازہ ہرگز نہ تھا، اس حکومت کے آتے ہی اس کے سائے میں گئو رکچھا کے نام پر بے قصور انسانوں کا قتل عام کیا جانے لگا، انھیں زندہ جلایا جانے لگا، لو جہاد کے نام پر نئی نسل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دفن کیا جانے لگا، ہندو مسلم بھائی چارگی کی فضا کو منافرت کے زہر سے مسموم کرنے کی کوششیں ہونے لگیں، غرض کہ مسلمانوں کو ٹارگٹ کرنے کے نئے نئے طریقے اپنائے جانے لگے۔

مودی حکومت مسلم عورتوں کے ساتھ انصاف کرنے کے نام پر تین طلاق کے خلاف ایک ایسا بل لائی ہے جو عورتوں کو ''تاڑ سے ٹپکا، کھجور میں اٹکا'' کے تحت مزید مشکلات کی آگ میں جھونکنے والا ہے، طلاق کے بعد تو عورت ویسے ہی پریشان تھی، اب اور کورٹ کچہری کی صورت میں پریشانیاں دوچند ہو گئیں، پہلے کم از کم سابقہ قانون اور گاؤں سماج کے دباؤ میں شوہر سے اخراجات تو مل جاتے تھے جس سے عورت اپنا اور اپنے بچوں کا گزارا کر لیا کرتی تھی، اب تو وہ شوہر بھی جیل میں ہے، گاؤں سماج کچھ دلائے بھی تو کس سے؟ کون پرسان حال ہوگا؟ اب تو شوہر کے گھر والے بھی غم وغصہ میں ہوں گے کہ اس نے ان کے کماؤ فرد کو جیل میں بند کرا دیا اور اب چلی ہے گزارا بھتہ کی فرمائش کرنے، پہلے تو کسی حد تک سسرال والوں کی ہمدردیاں ساتھ ہوتی تھیں جنھیں اس نے خود ہی شوہر کو جیل بھیج کر ختم کر دیں۔

بی جے پی حکومتیں عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کے بجائے آج ملک میں ہر وہ کام کر رہی ہیں جس سے ہندو مسلم منافرت کے شعلے بھڑکیں، کسان خودکشی کر رہے ہیں، نوجوان نوکریوں کے لئے در بدر بھٹک رہے ہیں، ملکی معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، غنڈہ گردی نئے نئے رنگ وروپ اختیار کر رہی ہے، قتل وغارت گری شباب پر ہے، زندہ انسانوں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے، تعلیم کے نام پر لوگوں کا استحصال کیا جا رہا ہے اور غریبوں کے لئے تعلیم تو آج بھی ''جوئے شیر'' ہی کے مترادف ہے، کرپشن کی گرم بازاری ہے، عورتوں کی عزت وآبرو سرعام تار تار کی جا رہی ہے، مہنگائی نے عوام کی کمر توڑ رکھی ہے، عام ہندوستانیوں کے بینک کھاتے ''مودی جی کے پندرہ لاکھ'' کی ایک پھوٹی کوڑی کو بھی ترس گئے، یہ وہ ضروری مسائل ہیں جو چیخ چیخ کر حکومت کے ساتھ ساتھ عام ہندوستانیوں کو بھی اپنی جانب توجہ دینے کی فریاد کر رہے ہیں، لیکن مرکزی حکومت کو ان سارے مسائل سے کہیں زیادہ اہم صرف مسلم عورتوں کے وہ معاملے نظر آ رہے ہیں جن کا تعلق اسلامی احکام سے ہے، جیسے یہ تین طلاق کا معاملہ۔

جب سے بی جے پی برسر اقتدار آئی ہے، عوام کے اصل مسائل چھوڑ کر اپنی پوری توانائی اِنھیں غیر ضروری معاملوں کو ہوا دینے میں صرف کر رہی ہے، یہ صورت حال کسی بھی جمہوری ملک

کے لئے نہایت ہی خطرناک ہے، یہ حالات عام ہندوستانیوں سے اس امر پر سنجیدگی سے غور کرنے کا تقاضہ کررہے ہیں کہ کیا ہم نے نکاح وطلاق کے مسئلے حل کرنے کے لئے بی جے پی کو اقتدار سونپا تھا؟ کیا ہم نے کھانے پینے کا "مینو" بنانے کیلئے ہندوستان کی باگ ڈور مودی جی کے ہاتھوں میں تھمائی تھی؟ کیا ہم نے مندر ومسجد بنانے کے لئے اس حکومت کو منتخب کیا تھا؟

اگر حکومت صحیح معنوں میں عورتوں کے ساتھ انصاف کی خواہاں ہوتی تو عام عورتوں کے لئے فلاح وبہبود، ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کرتی نہ کہ عورتوں کو ہندو مسلم کے خانوں میں بانٹ کر؟ حکومت کا یہ عمل یہ واضح کرتا ہے کہ اسے دراصل کسی سے کوئی ہمدردی ہے ہی نہیں، خواہ وہ ہندو عورت ہو یا مسلم عورت! اسے تو صرف ہندو مسلم کارڈ کھیل کر اپنی سیاسی روٹی سینکنی ہے اور بس! ورنہ مودی جی سب سے پہلے ان ۲۰ رلاکھ ہندو عورتوں کو انصاف دینے کی بات کرتے جنھیں ان کے شوہروں نے بغیر کسی طلاق کے چھوڑ رکھا ہے، انھیں اِن کی تو کوئی فکر نہیں لیکن صرف ۲۹۰۰ رسو مسلم عورتوں کی فکر انھیں کھائے جارہی ہے؟ جبکہ یہ وہی مودی جی ہیں جن کے دورِ حکومت میں اِن مسلم عورتوں کی سرِعام عصمت دری کی گئی، زندہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر کر ان کے بچے قتل کردیئے گئے، ان کے بیٹوں، شوہروں اور سرپرستوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلادیا گیا، یہاں تک کہ مودی جی کے لوگوں نے قبروں سے نکال کر مسلم عورتوں سے "بلاتکار" کرنے کی حیاسوز باتیں کیں، مودی جی! یہ وہ وقت تھا جب آپ مسلم عورتوں سے ہمدردی جتاتے، یہ وقت تھا ان کو انصاف دلانے کا، اس وقت کہاں تھے آپ؟ اس وقت تو آپ خوابِ خرگوش کے مزے لیتے رہے اور آج اچانک آپ کے دل میں مسلم عورتوں سے ہمدردی کا طوفان امنڈنے لگا؟ جبکہ مسلم عورتوں کے ساتھ یہ معاملات پہلے ہی سے تھے، اس میں نیا کچھ بھی نہیں ہے جسے آپ نے آج پہلی بار دیکھا اور ان کے ہمدرد بن گئے۔

آپ اور بی جے پی کا مسلم عورتوں سے ہمدردی کا یہ کیسا دوغلا معیار ہے کہ جس وقت ان کے شوہروں کو زندہ جلادیا جاتا ہے، سڑکوں پر دوڑا دوڑا کر ماردیا جاتا ہے، ٹرینوں میں ان کے لاڈلوں کو چاقوؤں سے گود کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، اس وقت آپ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، آپ کی زبان سے ہمدردی کے دو بول تک نہیں نکلتے لیکن جیسے ہی اسلامی احکام سے متعلق کوئی معاملہ سامنے آتا ہے، مسلم عورتوں سے آپ کی ہمدردی کے جذبات میں ایسی طغیانی آتی ہے کہ بس دیکھتے بنتی ہے، اپنے خود کے اعمال کا جائزہ لئے بغیر میدان میں کود پڑتے ہیں، مسلم بہنو! ہم نے اپنی والی کو بھلے ہی انصاف نہ دیا ہو مگر تمھیں تو ضرور دلائیں گے اور اس طرح دلائیں گے کہ تمہارے شوہر کو جیل میں بھیج کر اس کے بھوت سے تمہارا گزارا بھتہ دلائیں گے، اگر اس کا بھوت گزارا بھتہ دینے سے انکار کردے تو تم ہمت نہ ہارنا، بھلے ہی تمہارے روٹی کے بھی لالے پڑجائیں لیکن کورٹ کچہری کا چکر ضرور کاٹنا پر یہ کبھی مت کہنا کہ مجھے تو کھانے پینے تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں، یہ کورٹ کچہری کا خرچ کہاں سے لاؤں گی؟ معاف کرنا! یہ تو کرنا ہی پڑے گا، آخر تمہیں انصاف جو چاہئے، بہنو! دراصل میری ہمدردی ذرا دوسری طرح کی ہے جو تھوڑی دیر سے سمجھ میں آتی ہے، اتنی دیر میں! جب بہت دیر ہوچکی ہوتی ہے، اس وقت بہنو! آپ کو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ جو اپنی ایک بیوی کو بیوی کی طرح نہیں رکھ سکا، جو خود ایک کے ساتھ انصاف نہیں کرپایا وہ بھلا دیش کی سیکڑوں مسلم عورتوں کو کیا خاک انصاف دلا پائے گا؟ ارے یہ تو محض ایک جملہ بازی تھی جس کو تم بے وقوف مسلم عورتوں نے سچ سمجھ لیا، یہ سب جانتے ہیں کہ اپنے دیش میں جملہ بازی کا کھیل تو چلتا ہی رہتا ہے اور ہم نے تو اس میدان میں باقاعدہ پی ایچ ڈی کررکھی ہے۔

یہ بات ملک کا ہر انصاف پسند شہری جان چکا ہے کہ حقیقت میں یہ مودی جی اور بی جے پی کی مسلم عورتوں سے

ہمدردی نہیں بلکہ ایک چھلاوہ ہے، ایک حربہ ہے مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی کا، ایک چور دروازہ ہے مسلمانوں کو اسلامی احکام سے دور ونفور کرنے کا، جو ان کے اہم خفیہ ایجنڈوں میں شامل ہے۔

کچھ اس بل کے بارے میں

سپریم کورٹ کے سینئر وکیل کپل سبل کے مطابق حکومت کے ذریعہ پارلیامنٹ میں پیش کئے گئے طلاق ثلاثہ بل کے تین اہم عناصر ہیں (۱) ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ وہ کسی بھی طور پر دی جائیں، کالعدم ہیں (۲) تین طلاق دینے والے کو مجرمانہ سزا دی جائے گی (۳) تین طلاق دینا نا قابل سماعت اور غیر ضمانتی جرم ہوگا۔

ان کے مطابق حکومت نے اس بل میں طلاق ثلاثہ کو مجرمانہ عمل قرار دے کر اس کی سخت سزا مقرر کر کے مسلم مردوں کو نشانہ بنانے کی اپنی بدنیتی صاف ظاہر کر دی ہے، اب مسلم مرد ایک دیوانی معاہدہ توڑنے کا مجرم ہوگا جبکہ نکاح کوئی مجرمانہ عمل نہیں ہے، اس بل کا دوسرا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس میں ایسا کہیں ذکر نہیں ہے کہ صرف مطلقہ ہی اپنے شوہر کے خلاف شکایت درج کرا سکتی ہے، بلکہ کوئی بھی یہ شکایت درج کرا سکتا ہے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور شکایت درج کر لی جائے گی پھر شوہر گرفتار کر لیا جائے گا، صرف کورٹ سے ہی اسے ضمانت مل پائے گی، اب یہ کورٹ کی مرضی پہ منحصر ہے کہ اسے ضمانت دے یا جیل ہی میں رکھے، قانون کا یہ پہلو کئی پریشان کن مسائل کا پیش خیمہ ہے، مثلاً کوئی بھی شخص اپنی ذاتی پرخاش کے سبب شوہر کے خلاف جھوٹی شکایت درج کرا کے اسے جیل بھجوا دے گا۔

سب سے اہم سوال یہ ہے کہ حکومت کے مطابق جب طلاق واقع ہی نہیں ہوئی تو پھر شوہر کو جیل کیوں بھیجا جا رہا ہے؟ یعنی جرم ہوا ہی نہیں پھر بھی سامنے والا مجرم اور سزا کا مستحق؟ جب شوہر جیل میں ہوگا تو پھر مطلقہ کو نان ونفقہ کون دے گا اور کہاں سے دے گا؟ جب شوہر کو تین سال کے لئے جیل بھیج دیا جائے گا تو بیوی لازمی طور پر سڑک پر آ جائے گی، یعنی شوہر جیل میں، بیوی سڑک پر، مطلب پوری فیملی تباہی کے دہانے پر! تین سال تک عورت آخر کہاں رہے گی؟ اس کی کفالت کی ذمہ داری کون لے گا؟ کیا یہی مسلم عورتوں کے ساتھ انصاف ہے کہ اس کے لئے واپسی کے سارے دروازے بھی بند کر دیئے جائیں؟

حکومت کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہیں کر رہی بلکہ جنسی ناانصافی کا خاتمہ کر رہی ہے، اگر حکومت اپنے اس قول میں سچی ہے تو سب سے پہلے ہماری ان ہندو عورتوں کو انصاف دلائے جو عام طور پر اپنے گھروں سے بغیر کسی طلاق کے باہر نکال دی جاتی ہیں اور کورٹ سے انصاف پانے کے لئے در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں، ان کی عمریں ختم ہو جاتی ہیں لیکن انھیں انصاف نہیں ملتا، مگر ان ہندو عورتوں کی فکر کسی کو نہیں، ان کا ہمدرد کوئی نہیں، کیا یہ کسی ہمدردی کی مستحق نہیں؟

طلاق کے بعد مسلم عورتوں کو تو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان کے شوہر نے انھیں طلاق دے دی ہے، اس لئے اب انھیں اس مسئلے سے ابرنے کی تدبیریں کرنی یا کرانی چاہئے، لیکن بے چاری ہندو عورتوں کو تو کافی دنوں تک یہ بھی نہیں معلوم ہو پاتا کہ ان کے پتی نے انھیں طلاق دے دی ہے، وہ بے چاری اس خوش فہمی میں مبتلا اپنی زندگی گزارتی ہیں کہ ان کا پتی، ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا موجود ہے، پتی کی طرف سے ملنے والی توجہات جب پہلے کے مقابلے میں کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتی ہیں تب ان پر یہ راز کھلتا ہے کہ ان کے اس پتی نے تو کافی دنوں پہلے ہی ان سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیا ہے جس کے نام کا سندور وہ اب تک لگاتی آ رہی ہیں، کیوں کہ ان کو بغیر کسی طلاق کے، کسی بھی بہانے سے گھر سے باہر کر دیا جاتا ہے۔

مودی جی! ان کا کیا قصور تھا کہ ان کے پتی نے جب جی میں آیا، انھیں بغیر طلاق دیئے اور بغیر بتائے اپنی خوشحال زندگی،

گھر بار سے دور کر دیا؟ ان کا کون پرسان حال ہوگا؟

ایک سروے کے مطابق مسلمانوں میں تین طلاق کے واقعات محض ۲۹۰۰/سو ہیں جبکہ ہندوؤں میں بغیر کسی طلاق کے یہ واقعات ۲۰/لاکھ سے زائد ہیں، یعنی مسلم عورتوں کے مقابلے ۱۹/لاکھ ۹۷/ہزار ایک سو ہندو عورتوں کو بغیر طلاق کے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس میں کسی کو بھی جنسی ناانصافی نظر نہیں آتی، اس معاملے میں کسی کو بھی جینڈر جسٹس کی فکر نہیں ہوتی، فکر کس کی کی جاتی ہے صرف ۲۹۰۰/انتیس سو عورتوں کی جبکہ ۲۰/لاکھ عورتوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے، آخر کیوں؟ دال میں ضرور کچھ کالا ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ پوری کی پوری دال ہی کالی ہے۔

کیسی اندھیر نگری ہے کہ ایک شخص کو ۲۹/زخم لگے ہیں جبکہ دوسرے شخص کا پورا جسم ہی زخموں سے چور ہے، اب آپ ہی بتائیے کہ پہلے علاج کا حقدار کون ہے؟ ۲۹/زخم والا یا زخموں سے چور جسم والا؟ کوئی معمولی سی عقل والا بھی یہی کہے گا کہ زخموں سے چور جسم والا ہی پہلے علاج کا حقدار ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی ۲۹/زخم والے کو ہی پہلے علاج کا حقدار گردانے اور کہے کہ مجھے اس سے ہمدردی ہے کیوں کہ اس کے جسم پر ۲۹/زخم لگے ہیں تو پھر کوئی سر راہ چلنے والا بھی یہ کہہ دے گا کہ کہیں تو اندھا تو نہیں ہوگیا؟ تیری مت تو نہیں ماری گئی ہے؟ ارے تجھے ۲۹/زخم والا نظر آ گیا اور یہیں یہ دوسرا شخص جس کا پورا جسم زخموں سے چور چور ہے، نظر نہیں آیا؟ اگر تو سچ میں انصاف پسند ہے تو سب سے پہلے اُس کا علاج کرا جس کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہے، اگر نہیں! تو نہ تو اِس کا ہمدرد ہے نہ اُس کا! اب یہ ہمدردی کا ڈھونگ چھوڑ اور بھاگ یہاں سے۔

تین طلاق کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ تین طلاق کو تو مذہب میں بھی ناپسندیدہ اور برا مانا گیا ہے تو جو بات مذہبی طور پر بری ہے، وہ قانونی اعتبار سے اچھی کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا یکبارگی تین طلاقیں نہیں مانی جائیں گی۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ بغیر شادی یا نکاح کے کسی بھی لڑکا لڑکی کا ''میاں بیوی'' کی طرح رہنا کسی بھی مذہب میں جائز نہیں سمجھا گیا ہے تو پھر ''لیو اِن ریلیشن شپ'' کو کس بنا پر لیگل قرار دیا ہے؟ اسی طرح ''ہم جنس پرستی'' بھی کسی مذہب میں جائز و درست نہیں قرار دی گئی ہے پھر بھی اسے کس بنا پر قانونی تحفظ حاصل ہے؟

ہندو لا میں شادی سات جنموں تک کا رشتہ ہے، شاید اسی لئے وہاں طلاق کا تصور بھی نہیں، لیکن قریب ۵۵۰/سال پہلے خصوصی بل لا کر ہندو لا میں بھی ''طلاق'' کا ''پراودھان'' کیا گیا، آخر کیوں؟ جب طلاق اتنی ہی بری چیز ہے تو جس مذہب میں طلاق کا تصور تک نہیں اس میں طلاق کا ''وشیش پراودھان'' کرنے کا کیا مطلب ہے؟

مودی جی کہیں گے کہ صاحب ہم ''طلاق'' کے نہیں ''تین طلاق'' کے خلاف ہیں، تو ہمارا جواب ہوگا □ جناب! آپ نہ طلاق کے حق میں ہیں نہ تین طلاق کے خلاف! کیوں کہ آپ نے تو ''جسودا بین'' کو بغیر کسی طلاق کے چھوڑ رکھا ہے، آپ نے انھیں نہ ایک طلاق دی نہ تین، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سرے سے طلاق ہی کے مخالف اور بغیر کسی طلاق کے بیوی کو چھوڑ دینے کے حامی ہیں، آپ کو تو یہ پرچار کرنا چاہئے کہ مترو! خبردار بیوی کو کبھی طلاق مت دینا، اگر چھوڑنا ہی ہے تو ویسے ہی چھوڑ دو تاکہ بیوی کو یہ پتا بھی نہ چلے کہ اس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا ہے، اس سے تم دنیا اور سماج کی نظر میں اچھے بھی بنے رہو گے اور بیوی تم پر ہرجے خرچے کا مقدمہ بھی نہیں کرسکے گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ طلاق دینے کے باوجود بھی تم طلاق یا تین طلاق کے خلاف عورتوں کے ہمدرد بھی بن جاؤ گے۔

مودی جی! آپ کی ''کرنی'' آپ کی ''کتھنی'' کا پول کھول رہی ہے اور آپ کا ''ڈبل رول'' دنیا دیکھ رہی ہے پھر بھی

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

طلاق ثلاثہ کے خلاف قانون بنانے میں آپ کی حکومت

نے جس جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے صاف طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام درج کرانے کے علاوہ حکومت کا کوئی اور مقصد تھا ہی نہیں، ورنہ ''تین طلاق واقع نہیں ہوگی پھر بھی شوہر کو مجرم قرار دے کر اسے تین سال کی سزا ہوگی'' جیسے مضحکہ خیز دفعات اور ''شوہر جیل میں رہ کر بھی بیوی کو گزارا بھتہ دے گا'' جیسی کمیوں کا وجود کیا معنی رکھتا ہے؟

دراصل حکومت کو عورتوں کے کسی بھی حقیقی مسئلہ سے کوئی سروکار نہیں ورنہ آج ہمارے ملک میں عورتوں سے متعلق ہی ایسے بہت سارے مسائل ہیں جو فوری توجہ اور حل کئے جانے کے مستحق ہیں مگر مودی جی کو اُس سے کیا؟ انھیں تو اپنے آقاؤں کو خوش کرنا ہے جو وہ نہایت ہی کامیابی کے ساتھ کر رہے ہیں، ملک کی جمہوریت دم توڑتی ہے تو توڑ دے، ہندوستان دنیا میں بدنام ہوتا ہے تو ہوتا رہے، وہ تو بس ''مست رہو مستی میں، آگ لگے بستی میں'' گنگنائے جارہے ہیں۔

ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ ملک کی روایت رہی ہے کہ کسی بھی مسئلے پر قانون بنانے کے لئے اس معاملہ کے ماہرین کے مشورے کی روشنی میں ایک بل کی ڈرافٹنگ عمل میں آتی ہے پھر حزب اقتدار اسے لوک سبھا میں پیش کرتا ہے، جہاں حزب اختلاف کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ افراد بھی اس پر سوال وجواب کرتے ہیں، تب جاکر کثرت رائے سے کوئی بل یا قانون منظور کیا جاتا ہے اور اس عمل کو مزید یقینی بنانے کے لئے ۱۹۹۳ء میں باقاعدہ ایک ''اسٹینڈنگ کمیٹی'' کی تشکیل بھی عمل میں آچکی ہے، لیکن طلاق ثلاثہ کے خلاف قانون سازی کے سلسلے میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا جبکہ اپوزیشن نے بار بار اس کا مطالبہ بھی کیا۔

دراصل یہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آر ایس ایس کا ایک نیا فارمولہ ہے جسے پورا کرنے کا بیڑا مودی جی نے اٹھایا ہے اور وہ جمہوریت کی پرواہ کئے بغیر رفتہ رفتہ اپنے اس مقصد کی طرف بڑھ بھی رہے ہیں، انھیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ ملک کہاں جارہا ہے؟ عالمی سطح پر ہندوستان کی کیا شبیہ بن رہی ہے؟ ہندوستان کی جمہوریت اور اس کی گنگنا جمنی تہذیب اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے، حد تو یہ ہے کہ اب ملک کا سپریم کورٹ بھی اس خطرہ کو محسوس کرنے لگا ہے، مگر افسوس کہ آج حکمرانوں کا ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا ہے کہ یہ ساری باتیں ''نقار خانے میں طوطی کی آواز'' ہی ثابت ہو رہی ہیں۔

مسلمان ماضی اور حال کے آئینے میں

مسلمانو! بے حسی کی حد ہوگئی، اب تو خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، موجودہ ملکی حالات تم سے اپنے اعمال کا احتساب کرنے کا تقاضہ کر رہے ہیں، ذرا ماضی کے آئینے میں خود کو دیکھو، تم اتنے بدل گئے ہو کہ اب خود کو بھی نہیں پہچان پاؤ گے، تم خود سوچ میں پڑ جاؤ گے کہ کیا یہ تمہی ہو؟ کیا شکل بنالی ہے، ماضی میں بشکل مسلمان تم ایسے تو نہیں تھے، تمہاری شکل وصورت، تمہارے اعمال اور تمہارے قول و کردار میں اسلام مجسم نظر آتا تھا، تمہیں دیکھ کر لوگ اسلام کو جانتے اور اپناتے تھے، برائیاں تم سے کوسوں دور تھیں، تمہاری خوش اخلاقیوں کا چہار دانگ عالم میں چرچہ تھا، نیک نامیاں تمہارے گھر کی باندیاں اور کامیابیاں تمہاری چاکری کیا کرتی تھیں، دنیا تم سے طرز معاشرت کی خیرات لیتی تھی، تمہاری زبان ہی لاکھوں کی ضمانت ہوا کرتی تھی، تمہارے کردار پر اغیار بھی ایمان لاتے تھے، تمہاری عدالت اور انصاف پسندی دشمنان اسلام بھی تسلیم کرتے تھے، دیگر اہل مذاہب اپنے فیصلے تم سے کرایا کرتے تھے۔

آج کیا سے کیا ہو گئے تم؟ غیر تو غیر آج اپنے بھی تم پر اعتماد نہیں کرتے، تمہاری شکل وصورت، تمہارے اعمال اور تمہارا قول و کردار دیکھ لوگ اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں، برائیاں تمہاری پہچان بن گئیں ہیں، بد اخلاقیاں تمہارا شیوہ اور ناکامیاں تمہارا مقدر بن گئیں ہیں، دوسروں کو درس حیات

دینے والی قوم آج ناکام زندگی کی علامت بن گئی ہے، جھوٹ، غیبت، عیاشی، شراب نوشی، قماربازی، زناکاری، بدعہدی، بدتہذیبی، حق تلفی، ناانصافی، ماں باپ سے بدسلوکی، بیوی بچوں کے ساتھ ظلم و زیادتی اور بات بات پر طلاق بازی تمہاری زندگی کا حصہ بن گئی ہے۔

اس پر ستم یہ کہ تم نے اپنے خالص شرعی معاملات میں اغیار کو مداخلت کا موقع فراہم کیا، جس کا نتیجہ ہے کہ آج غیر شرعی احکام تم پر تھوپنے کی جرأت کی جا رہی ہے، ان حالات کے تدارک کے لئے ایک صدی قبل ہی مفکر اسلام امام احمد رضا خاں قادری بریلوی نے یہ فکر دی تھی کہ مسلمان اپنے باہمی نزع کا تصفیہ شرعی طریقے سے کریں تاکہ اغیار کو کسی بھی شرعی معاملہ میں مداخلت کا موقع سرے سے مل ہی نہ پائے، آپ نے فرمایا تھا

''ان معدود (چند) باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی (مداخلت) ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔''

اگر اس مخلص مفکر کی بات پر عمل کرتے ہوئے تم نے نکاح وطلاق اور اپنے دیگر عائلی مسائل کے تصفیے کے لئے کورٹ کچہری کے بجائے اپنے دارالافتا اور دارالقضا سے رجوع کیا ہوتا تو یقیناً آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

تمہاری انہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہرا یرا غیرا حکمت و دانائی سے بھرپور احکامات شرع پر انگشت نمائی کر رہا ہے، نہ تم اس درجہ احکام شرع کی ناقدری کرتے، نہ کسی میں اسے تبدیل کرنے کی جرأت ارزانی ہوتی، نہ تم اسلامی رعایت کا غلط فائدہ اٹھاتے، نہ کسی کو تمہاری اسلامی زندگی تباہ و برباد کرنے کا موقع کا ملتا، یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سب تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے، یہ تمہاری ہی کاشت ہے جسے تم کاٹ رہے ہو، للہ! ہوش کے ناخن لو، زمانہ قیامت کی چال چل چکا ہے، اسے سمجھو اور اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے مرد حق آگاہ کی طرح میدان عمل میں کود پڑو، اب بھی وقت ہے ورنہ اگر تمہارا یہی حال رہا تو بہت جلد صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے، شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے نصف صدی پیشتر ہی تمہاری اس حالت زار پر تمہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

□□□

والدین دنیا کی سب سے بڑی نعمت

معراج احمد فریدی: استاذ مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ

اللہ رب العزت کی نعمتیں بے شمار ہیں۔وان تعدوا نعمت اللہ لاتحصوھا* ۔ان عظیم الشان نعمتوں میں والدین بھی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں اگر کسی کو یہ نعمت عظمی حاصل ہو جائے اور ان کی خدمت و اطاعت بجالائے تو وہ یقینا بڑا سعادت منداور اللہ تبارک وتعالی کا محبوب و پسندیدہ بندہ ہے۔ مگر شاید اس کا احساس ان کو نہیں جو اس دولت بے بہا سے سرفراز ہیں۔جن کے سر کمسنی میں ہی والدین کا سایہ اٹھ گیا ہو اور جس نے اس نعمت عظمی سے محروم ہو جانے کے سبب ہر قدم پر اشک غم بہائے ہوں وہ والدین جیسی عظیم نعمت کی حقیقت زیادہ جانتے ہیں۔

وہ جو اپنا غم بھلا کر اولاد کے غم میں تڑپ اٹھیں وہ جو خود بھوکے رہ کر اولاد کو شکم سیر دیکھنے میں خوشی محسوس کریں وہ جو ٹھنڈی گرمی برسات کے تھپیڑوں کا سارا قہرا پنے اوپر لے لیں ۔مگر اولاد کے اوپر آنچ تک نہ آنے دیں وہ جو اولاد کی کمائی نہیں ان کے چہرے کی بشاشت اور صحت وتوانائی کی متلاشی ہو۔وہ اور کوئی نہیں صرف اور صرف والدین ہیں۔

اللہ رب العزت کا پسندیدہ دین دین اسلام ہے* ۔ان الدین عند اللہ الاسلام* ۔اسلام دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے اسلام امن وآشتی اخوت ومحبت بھائی چارگی تہذیب وتمدن کی بجا آوری کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام باہمی احترام اور اعلی اخلاقیات کا دین ہے۔انسانی زندگی میں والدین کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے ہر مذہب اور ہر معاشرے میں والدین کو اعلی مقام حاصل ہے۔والدین کا کوئی نعم البدل نہیں اور والدین کے چہرے کو دیکھنا کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کے مترادف ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی وحدانیت کبریائی یگانگت یکتائی اور اپنی عبادت و بندگی کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک وادب واحترام کی تعلیم دی ہے۔والدین کی عظمت وفضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی وحدانیت و بندگی کے ساتھ والدین کا ذکر جمیل فرمایا ہے۔

اب آیئے۔قرآن کریم کے نورانی اوراق کو الٹ کر دیکھتے ہیں کہ خلاق کائنات نے کس انداز سے جابجا والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر فرمایا ہے۔دیکھئے پارہ نمبر 1 سورہ البقرہ آیت نمبر 83 میں ہے۔*لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا* ۔اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آو۔دیکھئے پارہ نمبر 5 سورہ النساء آیت نمبر 36 میں ہے۔*واعبدو اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا* ۔اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔آگے ایک اور مقام پر دیکھئے پارہ نمبر 8 سورہ الانعام آیت نمبر 151 میں ہے* قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا ۔اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ آو میں وہ

چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھراو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ دیکھئے اور ایک مقام پر پارہ نمبر 15 سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 23 میں ھے۔ *وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا* اور آپ کے رب نے حکم فرمایا ھے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کریم اپنے والدین کے ساتھ کلام (بات) کرنے کا سلیقہ اور ادب بھی سکھا تا ھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بات کرنے میں ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو اور شان والدین میں گستاخی کے مرتکب ہو جاؤ۔ قرآن مجید والدین کے سامنے اف تک کرنے کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ زبان درازی؟ دیکھئے فرمان الٰہی ھے۔ *اما یبلغن عندك الکبر احدھما او کلھما فلا تقل الھما اف ولا تنھر ھما وقل لھما قولا کریما*۔ اگر تمہارے سامنے دونوں (والدین) میں سے کوئی ایک یا دونوں کبر سنی (بڑھاپے) کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرو۔

مزید یہ کہ والدین کے سامنے عاجزی وانکساری اور ان کے حق میں دعا کرنے کی بھی تعلیم قرآن دیتا ھے۔ *واخفض لھما جناح الذل من الرحمت وقل الرب الرحمھما کما ربیانی صغیرا* اور ان دونوں (والدین) کے لئے نرم دلی عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو (اور اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو کہ اے میرے رب ان دونوں (والدین) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے رحمت وشفقت سے پالا ھے۔ ایک اور مقام پر دیکھئے پارہ نمبر 20 سورہ عنکبوت آیت نمبر 8 میں ھے۔ *ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا* اور ہم نے انسانوں کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ لطف کی بات یہ کہ ایک مقام پر خالق کائنات نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ والدین کی بھی شکر گزاری کا حکم دیا ھے۔ ملاحظہ کیجئے پارہ نمبر 21 سورہ لقمان آیت نمبر 14 میں ھے *ان اشکر لی ولوالدیك*۔ میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔

یہ تو چند نورانی جھلک جو میں نے پیش کئے ہیں اس کے علاوہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر والدین کی شکر گزاری اور حسن سلوک اور مغفرت وبخشش کی تعلیم دی گئی ھے کہ اولاد ہمیشہ والدین کے احسانات وخیالات ونوازشات کے ذکر خیر سے رطب اللسان رھے۔

مذکورہ بالا احکامات الٰہیہ سے ہمیں یہ درس ملا کہ والدین کریمین کی اطاعت وفرمانبرداری نہایت ضروری ھے۔ اولاد کو چاہئے کہ جب والدین کبر سنی کو پہنچ جائیں تو ان کے جذبات واحساسات کا بھر پور خیال رکھیں ان کی دل جوئی وخدمت کریں اور اپنے کسی بھی قول وعمل سے انہیں رنج وتکلیف نہ پہنچائیں اور یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ ماں باپ کی ناراضگی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی ھے اور ماں باپ کی خوشی میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی ھے۔ خدمت کے ذریعے والدین سے دعائیں لیں اس لئے کہ اولاد کے حق میں ان کی دعائیں رد نہیں کی جاتی بلکہ مقبول انام ہوتی ہیں۔

اب آیئے اپنے احساس وجذبات فکر وخیالات کو باوضو کریں اور تھوڑی دیر کے لئے حدیث پاک کی مقدس وادیوں میں گم ہو جائیں۔ دیکھئے کس طرح حضور نبی مکرم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کی خدمت کو جہاد جیسی عظیم الشان عبادت پر فوقیت دی ھے۔ ملاحظہ کریں

ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور اس نے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آقا علیہ السلام نے از راہ مہربانی ارشاد فرمایا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ علیک السلام ہاں میرے والدین زندہ ہیں۔ فرمایا جاؤ اپنے والدین کی خدمت میں لگ جاؤ یہ تمہارے لئے جہاد سے افضل ہے۔ (سنن ابن ماجہ مشکاۃ المصابیح)

بقیہ صفحہ ۱۳، پر

وقت بڑا انمول ہے پیارے

حافظ محمد ہاشم قادری جمشید پور

وقت کسی کے لیئے نہیں رکتا جس نے اس کی قدر کی اس کو کامیاب، طاقت ور بنا دیا، جس نے اس کی بے قدری کی اس کو یہ معاف نہیں کرتا، مفلس کنگال بنا دیتا ہے۔ قرآن کریم واحادیث کریمہ میں وقت کی بہت اہمیت بتائی گئی ہے نماز، حج جیسی اہم عبادات کو بھی اللہ رب العزت نے وقت کے ساتھ مقرر فرمایا۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

القرآن،سورہ نساء)

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت کے حساب سے فرض ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا، اللہ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر مختلف اوقات کی قسم یاد فرمائی ہے جس سے وقت TIME کی بے پناہ اہمیت معلوم ہوتی ہے قرآن کریم میں ہے۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم، (کنزالایمان) اللہ تعالیٰ نے سورہ الضحیٰ میں ''چاشت کے وقت اور رات'' کی قسم یاد فرمایا اور بھی آیتیں قرآن کریم میں ہیں جو وقت کی اہمیت کو بتاتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اور مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھ کر وقت کی قدر کرنا چاہئے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دنیاوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے ہم اس میں جو وقت اللہ و رسول کے لیے اور اپنے و اپنے بچوں کے لیے صرف کریں گے وہی کام آئے گا اگر وقت کا صحیح استعمال کریں گے تو کل قیامت میں اس کا اجر ملے گا۔ (القرآن، سورہ الحاقة ۶۹، آیت ۲۴) ترجمہ:۔ (ان سے کہا جائے گا:) خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) اَیام میں آگے بھیج چکے تھے۔ اس کے برعکس اگر زندگی میں وقت کی قدر نہ کی اسے غفلت، سستی و کاہلی میں گزارتے ہوئے برائی، بدعملی میں برباد کیا تو پھر مایوسی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا: قرآن مجید میں کئی جگہ اللہ رب العزت نے، فجر، صبح، چاشت، رات، دن اور زمانہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔ ان آیات کریمہ کے ذریعہ ہمیں جھنجھوڑا (جگایا) جا رہا ہے کہ اپنی زندگی کے اوقات (TIME) کو معمولی اور حقیر نہ سمجھو، ایک ایک سکنڈ کا تم سے حساب ہونا ہے۔

احادیث طیبہ میں ''وقت'' کی اہمیت:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ''دو نعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔'' (بخاری، کتاب الرقاق، لاعیش اِلاعیش الاخرہ ۵: حدیث ۲۳۵۷، ۶۰۴۹، ترمذی، کتاب الذھد حدیث ۲۳۰۴) رب قدیر نے انسانوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، انسان یہ سمجھ بیٹھتا ہے یہ رحمتیں، نعمتیں اس کی جاگیر ہیں ہمیشہ وہ اس پر قابض رہے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ انسانی بھول اور شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ نعمتیں عطا فرمانے پر قادر ہے تو نعمتیں چھین لینے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ یاد رہے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو وقت کی قدر کرنے کی زبردست تلقین کی ہے سرکار مدینہ ﷺ کا فرمان عالیشان ملاحظہ فرمائیں ''اولاد آدم پر نیا آنے والا دن (اسے مخاطب ہو کر) کہتا ہے: اے مخلوق ابن آدم!

میں نئی مخلوق ہوں، میں کل (یوم قیامت) تمھارے عمل کی گواہی دوں گا پس تم مجھے کبھی بھی دیکھ نہیں سکو گے، آپ ﷺ نے فرمایا! اس طرح کے کلمات رات بھی دہراتی ہے۔" اتنے واضح احکامات کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان غفلت وسستی کا مظاہرہ کرے اور اپنے دن رات کو کھیل کود، لہولعب، فضول باتوں، سیر وتفریح، سونے میں گزار دے تو اس سے بڑا کم نصیب اور نادان کوئی ہو نہیں سکتا اور ایسے شخص پر صرف افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔

"وقت" سب سے بڑا بے رحم ہوتا ہے:

وقت بڑا بے رحم ہے کسی کی پرواہ کئے بغیر چلتے جاتا ہے۔ جو اس کے ماتحت UNDER میں رہ کر کام کرتا ہے اسی پر رحم کر کے کامیاب کرتا ہے جو اس کے ماتحت نہیں رہتا یعنی اس کی قدر نہیں کرتا ہے تو "وقت" بھی اسکی پرواہ کیے بغیر اس سے کوسوں آگے بڑھ جاتا ہے جو "وقت" سے فائدہ اُٹھالیتا ہے وقت اسکے کام آجاتا ہے جس نے وقت پر وقت کی قدر کیا وہی انسان عظیم مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔ اگر زندگی میں کچھ کر گزرنے کی لگن اور چاہت دل میں ہے تو "وقت" کی قدر کرنا چاہیے۔ اگر وقت کی قدر نہ کی تو ایک قیمتی خزانہ کھودو گے، یاد رکھو۔۔۔! جو وقت گزر جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا ہے۔ اگر ہم پابندیِ وقت کے ساتھ کام کرنا، محنت کرنا سیکھ جائیں تو ہم زندگی میں کسی کے محتاج نہیں ہوں گے اور نہ ہی کسی اور سے کسی قسم کی امید رکھنے کی چاہت ہوگی۔ نظام زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہم کو "وقت" TIME کے تعین اور وقت کی مقدار و قیمت COST کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس طرح قدرت کا نظام اپنے مقررہ وقت پر مکمل ہو رہا ہے، چاند وسورج کا طلوع وغروب، زمین ودیگر قدرتی نظام سب ہم کو وقت کی قدر کے بارے میں آگاہ کررہے ہیں۔ مشہور کہاوت ہے کہ "ایک منٹ کا بھولا لاکھوں کوس دور نکل جاتا ہے" پھر صرف افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا "وقت کی ناقدری"، "تساہل"، "سست روی"، "ٹال مٹول"، "تاخیر" اور "پھر کبھی" ہمارے بہت بڑے دشمن ہیں، ہمارے اور ہمارے مستقبل FUTURE کے لیے انتہائی تباہ کن ہیں۔ یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں، جو شخص نشہ کرتا ہے وہ معاشرے سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے مگر سست اور کاہل آدمی معاشرے میں شامل رہ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے، حضرت علامہ امام عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے (۵۹۷-۵۱۱ھ) اپنی (مشہور) کتاب "منہاج القاصدین" میں توبہ کے باب میں ایک الگ باب قائم فرمایا ہے "باب تسویف" (آئندہ کرلوں گا) میں کاہل لوگوں کے بارے میں لکھا ہے: "آئندہ (کل) پر ٹالنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اکھاڑنا ہو۔ وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے، بہت محنت سے اکھڑے گا، تو وہ کہے کہ میں ایک سال بعد اس کو اکھاڑنے کے لیے آؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا، مضبوط ہو جائے گا۔ اور خود اس کی عمر گزرتی جائے گی، وہ کمزور ہوتا جائے گا۔ جب وہ طاقتور ہونے کے باوجود درخت کی کم زوری کی حالت میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا تو جب وہ کمزور ہوجائے گا اور درخت زیادہ طاقتور، تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا؟۔

کاہلی کیا ہے؟: مزاج اور رویے کے باعث ہم وقت کی قدر نہیں کرتے اور بہت سے اہم کام اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ ابھی بہت وقت ہے اور عمر باقی ہے۔ اس طرح ہم کاہلی (جو کوڑھ کی طرح ہے) کی وجہ کر اللہ کی انمول نعمت "وقت" کو برباد کر تے رہتے ہیں آقا ﷺ نے فرمایا: "جوں ہی آنے والے دن کی پو پھٹتی ہے تو وہ آواز لگاتا ہے: آدم کی اولاد! میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمھارے اعمال کا گواہ، اس لئے مجھ سے جتنا زیادہ زادِ راہ لے سکتے ہو لے لو، میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا"۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دو دھڑکے لگے رہتے ہیں، ایک اس کا ماضی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے کیا نتائج ظاہر کرے گا اور دوسرا اس کا مستقبل FUTURE جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی جان کی خاطر اپنی جان کو، آخرت کی خاطر دنیا کو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو

کام میں لانا چاہیئے۔ایک حدیث میں ٹال مٹول کو شیطان کا شعار(طریقہ)فرمایا ہے جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔علامہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمر کی سانسوں میں ہر سانس ایک نفیس جو ہر ہے جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔کل ہماری زندگی میں ''کل'' کا لفظ بھی ایک دھوکا ہے جو انسان کو''وقت''TIME ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچا تا رہتا ہے۔انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو''کل'' کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں،اتنی حماقتوں،اتنی وعدہ خلافیوں،اتنی بے جا امیدوں،اتنی غفلتوں،اتنی بے پرواہیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں کے لیے جواب دہ ہو۔کیونکہ اس کا آنے والا''کل''،یعنی''فردا''،کبھی نہیں آتا''وقت''ایک بار گزر گیا،مر گیا اب گزرے ہوئے وقت کی قبر پر آنسو بہاؤ۔عقلمندوں کے رجسٹروں میں''کل'' کا لفظ کہیں نہیں ملتا البتہ کاہل اور وقت برباد کرنے والے بے وقوفوں کی جنتریوں میں بکثرت ملتا ہے۔یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دے دیا جائے گا۔''کل'' کا لفظ وقت برباد کرنے والے کاہل لوگوں کے لیے ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں،اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں کامیابی کی شاہ راہ (HIGHWAY) پر بے شمار اپاہج،کاہل،وقت برباد کرنے والے سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہائے ہم نے اپنی تمام عمر،وقت برباد کر کے اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں وقت کی پابندی کا حکم دیا ہے نماز،روزہ،ہم کو پابندی کا درس(سبق)دیتے ہیں یاد رکھو کہ''وقت'' دولت کا محتاج نہیں جبکہ دولت وقت کی محتاج ہے،اگر وقت میں ذرا سی غفلت برتی جائے تو دولت کیا زندگی بھی ہم سے کوسوں دور نکل جاتی ہے اگر وقت کی قدر''وقت''پر نہ کی جائے تو پھر دوبارہ اس کا موقع نہیں آتا۔اگر آپ ایک منٹ کو ضائع نہ کریں تو گھنٹہ اپنے آپ ضائع ہونے سے بچ جائے گا کیونکہ منٹ منٹ ہی ملنے سے گھنٹہ بنتا ہے۔وقت کا ایک لمحہ SECOND بھی ضائع نہ کریں،لمحوں کو استعمال کر کے آپ مہینوں اور سالوں کے مالک بن سکتے ہیں۔اگر آپ روزانہ اپنے ایک گھنٹہ کا صرف پانچ منٹ کھو دیتے ہیں تو رات دن ملا کر آپ نے روزانہ دو گھنٹہ کھو دیا مہینہ میں ساٹھ گھنٹے اور سال میں ۷۲۰ گھنٹے آپ کے ضائع ہو گئے۔اس طرح اللہ کی طرف سے ملا ہوا قیمتی''وقت'' بیکار ضائع کر دیا تمام لوگوں خصوصاً نوجوانوں کو وقت کی قدر زیادہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کو اپنے مستقبل کو تعمیر کرنا ہے۔افسوس آج کا نوجوان روزانہ سوشل میڈیا پر اپنے قیمتی وقت کے کئی کئی گھنٹے ضائع کر دیتا ہے یہ قیمتی وقت وہ کہاں سے نکالتا ہے؟اپنی تعلیم اور اپنے ضروری کام کے اوقات سے۔وہ وقت جو اسے اپنے اہلِ خانہ کو دینا چاہیئے،شادی شدہ ہے تو اپنی بیوی بچوں اور گھر والوں اور خاصکر اپنے والدین کریمین کو لیکن دن بھر گھر سے باہر رہنے کے بعد واپس آ کر بھی وہ اپنا''وقت''موبائل،کمپیوٹر،اور انٹرنیٹ کو دیتا ہے اس سے بہت سے سماجی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں،ہم سب کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔بزرگانِ دین نے اپنے''وقت'' کو کیسے کام پر لگایا۔چند نصیحت آموز واقعات ملاحظہ فرمائیں 1۔امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے،وہ اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں فرماتے صرف تفسیر کبیر تیس(۳۰)جلدوں میں ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے میں ہمیشہ اس پر افسوس کرتا ہوں۔2۔اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کے گھر جب کوئی جاتا تو انھیں پڑھنے لکھنے میں مصروف پاتا۔3۔حضرت فتح بن خاقان خلیفہ المتوکل کے وزیر تھے۔وہ اپنی آستین میں کوئی نہ کوئی کتاب رکھتے تھے اور جب انھیں سرکاری کاموں سے فرصت ملتی تو آستین سے کتاب نکال کر پڑھنے میں لگ جاتے۔4۔عامر بن قیس ایک متقی زاہد تابعی تھے ایک شخص نے ان سے کہا''آؤ بیٹھ کر باتیں کریں''آپ نے جواب دیا کہ پھر سورج کو بھی ٹھہرالو۔5۔تاریخ بغداد کے مصنف خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ حافظ کتاب فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے کر ساری رات کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔6۔حضرت ابن رشد اپنی شعوری زندگی میں صرف دو راتوں کو مطالعہ نہیں کر سکے جس پر ہمیشہ افسوس کرتے

آج ہم سیکڑوں دن رات برباد کرتے ہیں کچھ احساس نہیں کرتے یہ بے حسی توجہ کی طالب ہے 7۔ حضرت امام ابن جریر طبری ہر روز چودہ ورق لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی فائدے اور استفادے کے بغیر نہیں گزارا۔ 8۔ البیرونی کے شوق علم کا یہ عالم تھا کہ حالت مرض میں مرنے سے چند منٹ پہلے وہ ایک فقیہ جوان کی مزاج پرسی کے لیے آیا تھا علم الفرائض کا ایک مسئلہ پوچھ رہے تھے۔ 9۔ امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک جو تصوف کے مشہور متکلم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں سونے اور کھانے کا عادی نہیں۔ مجھے دن رات میں جب نیند آتی سو جاتا ہوں اور جب بھوک لگتی ہے کھا لیتا ہوں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، پڑھنا اور پڑھانا تھا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے، وہ اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے وہ اپنی قلم کے تراشے سنبھال کر رکھ دیتے تھے چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان تراشوں سے گرم کردہ پانی سے انھیں غسل دیا گیا وہ اپنے روزنامچے (ڈائری) DIARY''ا لخاطر)) میں ان لوگوں پر کف افسوس ملتے نظر آتے ہیں جو کھیل کود۔ تماشے میں لگے رہتے ہیں، ادھر ادھر بلا مقصد گھومتے رہتے ہیں اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر رائے زنی کرتے رہتے ہیں۔ علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مشہور مفسر قرآن (تفسیر روح المعانی) نے اپنی رات کے اوقات TIME کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پہلے حصہ میں آرام و استراحت کرتے، دوسرے میں اللہ کی عبادت کرتے اور تیسرے حصہ میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔ ماضی قریب کے علمائے کرام میں حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی ذات گرامی نے اسلام کی اشاعت میں اپنی پوری زندگی صرف کر دیا آپ نے تصانیف کے ذریعہ اصلاح عقیدہ، اصلاح اعمال، معاشرے میں پھیلی غیر شرعی رسم و رواج مٹانے کی زبردست جدوجہد فرمائی، مصلح قوم و مجدد دین وملت کی حیثیت سے تقریری و تحریری طور پر بدعات و منکرات کی تردید فرمائی آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہیں، آج کے حالات کے اعتبار سے لوگوں کو آپ کی تصانیف کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم اور ہمارا نوجوان Jio,Jio میں مست ہے اور اپنا قیمتی وقت برباد کر رہا ہے ایک ایک منٹ بلکہ ایک ایک سکنڈ قیمتی ہے، ایک سکنڈ کی قیمت اگر معلوم کرنی ہے تو جا کر معلوم کرو ہندوستان کی اُڑن پری P.T.Usha Indin Track and Field Athlete ارجن ایوارڈ یافتہ 1984 اولمپک گیمز میں 54 منٹ اور 001... !!seconds کے سویں حصہ سے میڈل سے محروم ہو گئی تھی۔ وقت آپ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں، اپنے وقت کے ہر ہر لمحہ کی قدر کریں اور ان لمحات کو یادگار بنائیں، وقت کسی کا انتظار کیے بغیر ماضی کے روپ میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ اور اسی طرح جو "وقت" آگے آئے گا وہ ایک معمہ ہوگا۔۔۔۔۔ صرف اور صرف آج اور ابھی ہی آپ کے پاس قدرت کا ایک عظیم انمول تحفہ "وقت" ہے اس تحفے کا شکر ادا کریں کیونکہ آنے والے وقت کی خبر کسی کو نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔۔۔۔۔؟؟؟ اپنے حال میں زندگی کو زندہ رہ کر گزاریں کیونکہ زندگی کا مزہ اسی میں ہے۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عقل مند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو اپنے تابع رکھے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے لگ جائے اور اللہ سے بھلائی کی امید رکھے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "قیامت کا حساب ہونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو اور اعمال کا وزن ہونے سے پہلے ان کو تو لو اور بڑی پیشی کے لیے تیاری کرو۔ سورہ حاقہ میں ہے: اس دن تم پیش کئے جاؤ گے تم سے کوئی چیز مخفی نہ رہے گی۔ اپنی ذات کا جائزہ لیجئے اور وقت کے پابند بنیے زندگی کو کامیاب بنائیے۔

اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

E-mail: hhmhashim786@gmail.com,
Mob.:09279996221

□□□

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

ریاض فردوسی: عظیم آباد

ایک وہ وقت تھا کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے بہت کم تھے مال ودولت سے ان کے ہاتھ خالی تھے۔ ساز وسامان کا ان کے پاس نام ونشان نہ تھا۔ اسلحہ اور سامان حرب وضرب کا فقدان تھا اور مادی طاقت وشوکت سے بے بہرہ تھے لیکن اس کے باوجود وہ قیصر وکسریٰ جیسے عظیم حکمرانوں سے لوہا لیے اور انہیں سپر انداز ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ وہ دنیا کے جس جس گوشے کی طرف رخ کرتے فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومتی اور اس دور کی مہذب ترین قومیں انہیں رحمت خداوندی کی نشانی سمجھ کر ان کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتیں، دنیا لاکھ چاہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتی کہ نہایت قلیل مدت میں انہوں نے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اپنی عظمت وسر براہی کے جھنڈے نصب کر دیئے لیکن آج کلمہ گو مسلمان ہیں کہ بلا استثناء دنیا کے ہر حصہ میں پست وزبوں حال ہیں حالانکہ اب ان کی تعداد بھی بہت ہے اور مادی وسائل سے بھی وہ اتنے تہی دست نہیں ہیں جتنے ان کے اجداد تھے جن کی بالا دستی اور عظمت کو دنیا نے تسلیم کیا تھا اور جنہوں نے کرۂ ارض کی خالی جھولی کو علم ودانش اور تہذیب وشائستگی کی دولت سے بھر دیا تھا۔

آج زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس پر بسنے والے مسلمانوں کے متعلق آئے دن دردناک خبریں سننے میں نہ آتی ہوں۔ جہاں ان کی زندگی اجیرن نہ ہو رہی ہو اور جہاں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے سامان نہ کئے جا رہے ہوں۔

ہم اس دردناک حالت پر آنسو بہاتے ہیں ہم اپنی اس حالت کا الزام تو چیخ چیخ کر اغیار پر رکھتے ہیں اور ہم اس کا ذمہ دار دریغ کو ٹھہراتے ہیں لیکن کبھی آئینہ میں اپنی شکل نہیں دیکھتے کبھی اتنا بھی نہیں سوچتے کہ آخر وہ کون سا نسخہ کیمیا تھا جس کے استعمال نے ہمارے مورثوں کو خستہ حالی اور بے مائیگی کے باوجود اتنا سر بلند کیا کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور تہذیب وترقی کا کوئی دور ان کی عظمت وبرتری کو بھلا نہیں سکا اور جس کے ترک کر دینے سے ہم اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں سے ارشاد فرمایا تھا۔ (اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تمہاری طاقت کمزور ہو جائیگی اور ہوا اُکھڑ جائیگی۔۔ القرآن)۔ اس نسخہ میں دوا بھی ہے جو صحت وتوانائی بخشتی ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔ اس میں پرہیز کا خیال نہ رکھا (یعنی اتحاد کی رسی کو چھوڑ دیا) اور باہم لڑنے جھگڑنے لگے تو تم لازماً کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری عزت وعظمت خاک ہو جائیگی۔

یہ نسخۂ کیمیا کسی خاص زمانے، کسی مخصوص قوم، یا کسی معین ملک کے لیے نہیں ہے۔ ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مشرق ومغرب شمال وجنوب اقوام وافراد کالے اور گورے۔ سب کے لیے یکساں وموثر ہے۔ جب تک ہم نے اسے استعمال کیا اور پرہیز کا بھی خیال رکھا۔ چار دانگ عالم نے ہمارا لوہا مانا اور جب سے ہم نے اس کا استعمال ترک کیا اور جی کھول کر

بد پرہیزی کرنے لگے۔ تو ذلتوں اور تباہیوں نے ہمیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ کوئی ہمارا دشمن نہیں ہے۔ اغیار کا شکوہ لغو اور فضول ہے، ہم خود اپنے دشمن ہیں ہم خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں۔ نسخہ اب بھی اپنے تمام تر اثرات کیساتھ موجود ہے۔ اگر ہم اسے استعمال کرنے لگیں اور پرہیز کا خیال رکھیں۔ باہمی تنازعات کو ختم کر دیں تو یقین کیجئے کہ نتائج اب بھی وہی ہوں گے جو اب سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہوئے تھے۔ سربراہی و سربلندی علم و دانش اور سائنس و حکمت پر اسی طرح آپ کی اجارہ داری ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے (آل عمران آیت ۳۱)

خاتم النبیین ﷺ نے یہ راز حرف بتایا کہ بندہ خالق کو اسی وقت پہچان سکتا ہے جب اس کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ کے لیے ہو۔ وہ اپنے اندر و باہر۔ ظاہر و باطن ہر طرف نظر دوڑا کر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم کس حد تک خود فریبی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہمارے نفس نے ہمیں اپنے رب سے دور تو نہیں کر دیا؟ ایسا تو نہیں ہے کہ دوسروں کو نصیحت کے عمل نے ہمیں خود اپنے آپ سے بے خبر کر دیا ہے۔ خاتم النبیین، رحمۃ للعلمین ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنے اوپر محیط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حضور پاک ﷺ نے جس طرح زندگی گزاری ہے، ہم بھی اس کا عملی مظاہرہ کریں۔ آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ نے معاشرت معیشت، جنگ اور امن غرض زندگی کے ہر شعبے میں اس ابدی راز کی عملی تفسیر پیش کی ہے کہ (میری نماز میری قربانی میرا مرنا میرا جینا سب رب العلمین کے لیے ہے)۔

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا جو بھی مسنون طریقہ اپنایا جائے اس میں اخلاص نیت ضروری ہے۔ یاد الٰہی میں اخفا مستحب ہے۔ اس سے اخلاص پیدا ہوتا ہے اور ریا کاری راہ نہیں پاتی۔ اخفا اس لئے بھی ضروری ہے کہ نمود و نمائش اور ریا کاری عمل کو برباد کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خشوع و خضوع اور تضرع و زاری کے ساتھ یاد کیا جائے جو غفلت اور بے یقینی کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے اور عاجزی۔ انکساری یقین محکم اور امید پیہم کے بغیر یاد الٰہی بے معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (تم اپنے رب کو پکارو، رو کر، گڑ گڑا کر اور آہستہ آہستہ، واقعی اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔) (الاعراف)

اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام ہیں جن کے ذریعے اسے پکارا جائے جس قسم کی حاجت ہو اسی صفاتی نام سے استفادہ کیا جائے تو بہتر ہے لیکن نہ بہت بلند آواز سے پکارا جائے اور نہ بالکل پست آواز سے۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر کو ذرا بلند آواز سے قرآن پڑھنا اور سیدنا فاروق اعظم کو ذرا کم آواز میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی عملی زندگی کا مطالعہ کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ حالات حاضرہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم جس تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں وہاں سوائے چند نیک سعید روحوں کے علاوہ کسی کو بھی ماحول کی سنجیدگی کا پتہ نہیں، یہ در اصل آنے والے طوفان کا پیش رو ہے۔ رہے منزل میں سب گم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے،

امیر کارواں بھی ہے انہی گم کردہ راہوں میں

مسلمانوں کی حالت زوال کا ایک بڑا محرک یہ ہے کہ ان کو اسلام کی علمی تاریخ کے نام پر جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ اکثر ایسی تاریخ ہے جس میں صرف قاضیوں، متکلمین، صوفیوں، محدثین، اور علمائے شریعت کو اور ان کے نقطہ نظر کو اسلامی تاریخ کا مرجع ماویٰ حاصل ہے۔ ''آرٹ، فنون، سائنس، ٹکنالوجی، نیچرل سائنس، ادب، تعمیر، شہری پلاننگ، اور پبلک ایڈمنسٹریشن کے

عمل اور اس میں ماہرین کو ''اسلامی علوم کی سند دینے میں ایک ذہنی رکاوٹ رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک ایسا اسلامی فقہی ذہن وجود میں آیا، جہاں وضو کے آداب پر ہر قسم کی تفصیلی بحث کرنا اہم قرار پایا لیکن ''واٹر کنزرویشن'' کی بحث دنیاوی بحث رہی۔ مسجدیں بنانا جنت میں گھر تعمیر کرنا جیسا کہا گیا (یہ صحیح بھی ہے) اور اسکی محنت بہت کی گئی لیکن آرکیٹیکچر اور اربن پلانگ کی مہارت ایک دنیاوی عمل رہا۔ خود تفسیر وحدیث کے تحفظ کی تاریخ اسلامی ہے، لیکن اس کے لئے کاغز کی تخلیق، اشاعت کی ٹکنالوجی کی مہارت ایک دنیاوی عمل باقی رہا۔ یہ فقہی ذہن اس قدر غالب رہا کہ اسلامی فقہ کی کسی بھی کتاب میں ''کتاب البیوع'' تو ہے لیکن پیداوار اور اس کی مارکیٹ اور اس کے خریداروں اور ریاست کے درمیان تعلقات کی تحقیق کرنے والا علم اقتصاد اسلامی بحث سے باہر رہی۔

آج ہمارے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں کے آپس کے مومن کافر کے جھگڑے چل رہے ہیں اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے پہ تلے ہیں نوجوان نسل عیاشی کے نئے نئے اسباب تلاش کر رہی ہے۔ یا تو ئی نسل دین سے نابلد ہے، یا نام ونہاد مفتیوں سے معاشرہ اٹا پڑا ہے۔ ہر کس وناکس نئے نئے فتنوں سے قوم ملت کے اتحاد کو توڑنے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے۔

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

مسلمانوں کو ایک ایسی فقہ کی ضرورت ہے۔ جس میں ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں، میں ایک ڈاکٹر کا ہونا فرض کفایہ ہو، اربن پلانگ اور ماحولیات کے ماہرین کی اتنی تعداد ہونا فرض کفایہ ہو، روزمرہ کے مسائل حل کرنے کے لئے یہ ایک ضروری عمل ہے۔ ملک وملت کا دفاع کرنے کے لئے آبادی کے ایک طبقے پر دفاعی علوم اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا فرض کفایہ ہو۔ تاریخ اسلام میں یہ کام تقریباً بغیر کسی تفریق کے ہوتا رہا ہے، لیکن پچھلے تین سو سال کے دور زوال میں جو فقہی ذہن غالب رہا ہے، اس کے بارے میں ایک تنقیدی نقطۂ نظر کی ضرورت ہے

جو قوم اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے نام پر چہرے سے نقاب نوچتی ہو، اور پھر دھیرے دھیرے وہ بہن، وہ بیٹی اپنا سب کچھ لٹا کر ہوش میں آتی ہو۔ (معاذ اللہ)

اس قوم میں عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غازی صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ، طارق بن زیاد اور دیگر سرفروشان اسلام پیدا نہیں ہوتے۔

جس قوم کے دانشور سنجیدہ خطوط پر ارتقاء کی بنیاد رکھنے کے بجائے، ارتقاء کے نام پر لڑکیوں کی نقاب اتروا کر ان کے جسم کے نشیب وفراز ناپ رہے ہوں اور وہ لڑکیاں بھی بے شرمی اور دلداری میں کوئی کسر نہ چھوڑیں،

اس قوم میں اماں خدیجہ، اماں عائشہ، مقدس فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیدائش کی توقع فضول ہے۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لڑکیاں غلط ہیں یا لڑکے غلط ہیں مسئلہ یہ ہے کہ قوم کی نکیل مغرب پسند رہنماؤں کے ہاتھوں میں ہیں اور والدین بھی اتنے بے شرم بے حیاء اور بے غیرت ہیں کہ ایک لمحے کو کچھ سوچے بغیر وہ اپنی بیٹیاں ان کے حوالے کر دیتے ہیں پھر ان معصوم ذہنوں میں پہلے زہر بھرا جاتا ہے، پھر شرم کی تمام زنجیر تو وہ خود سے توڑ کر آزادی نسواں اور ترقی کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

ان چیزوں میں الجھا کر دین سے دور کر کے طاغوتی طاقتیں اپنے اصل مشن پر پوری توجہ سے کام کر رہی ہیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کے تیرے دل میں اتر جائے میری بات

□□□

حریم ادب

یعنی پاکیزگی افکار کے ایمان افروز جلوے

قصیدہ آمد حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم

علامہ اشتیاق عالم ضیا شہبازی

قصیدہ لکھنے لگا خامہ بہار ام شب
تمام کشت تخیل ہے سبزہ زار امشب
شگوفہ لفظ، سبو جملہ، لہجہ بوئے سمن
عروس نطق کی تہذیب مشکبار امشب
ہزار جلوے سمٹ آئے روشنائی میں
ہزار حسن کی بجلی بیک قطار امشب
قلم کے نور سے لوح ہنر جمال افزا
روش روش ہوئی خورشید در کنار امشب
خدا کا فضل کہ یہ حوصلہ ملا مجھ کو
میں خط خامہ کی صورت ہوں دل فگار امشب
وہ چیخ گونج رہی ہے شکستہ روحوں کی
جہان زار کی سنتا ہوں میں پکار امشب
فریب دجل دغا ظلم جور سفا کی
ہزاروں سال کے یکجا انتشار امشب
خلوص مہر محبت وفا کرم شفقت
کہاں سے لاؤں بتا در شاہوار امشب
وہاں کھڑا ہوں میں دنیا جہاں ہے کشت خطا
ہوس کی گنتی نہ ذلت کا کچھ شمار امشب
قدم قدم پہ نیا معرکہ نئے جھگڑے
ہیں گام گام نئے بت نئے شکار امشب
خدایا اب تو دعائے خلیل پوری ہو
ہے کائنات تری محو انتظار امشب
بھٹکتے قافلے گم ہیں تلاش منزل میں
کسی طرف سے تو آئے کوئی سوار امشب
مرے لبوں سے جو نکلا جلوس آہوں کا
تو سن کے ہلنے لگا عرش کردگار امشب
پکارتا ہے کوئی آج بار بار امشب
زمیں پہ آ گیا رحمت کا تاجدار دگار امشب
ہے آج آمد اسوار صاحب مازاغ
حبیب خاص کی میلاد عطر بار دگار امشب
یہ رقص حسن، یہ محشر خرامی آہوں کی
ستارے سورۂ والفجر کے نثار دگار امشب
شعاع نور یہ والشّمس والضحیٰ کی
دراز گیسوئے واللیل مشکبار دگار امشب
گرا ہے پرچم سرخ و سیاہ خفت سے
اڑا ہے سبز علم نور کا ہزار دگار امشب
جھٹک دیا ہے کسی شوخ حور نے دامن
کہ گوندتی ہے فضاؤں میں ذوالفقار دگار امشب
ہر ایک گھر میں جلاتے ہیں دیپ خوشیوں کے
غلام دخت مسافر گناہگار دگار امشب
یہ خوشبوؤں کا گلستاں یہ زعفران زمیں
سپیدۂ سحرِ عشق پر نکھار امشب
برس رہا ہے سحاب کرم ہر اک جانب
کوئی بہاتا ہے رحمت کا جوئبار امشب
محمد عربی ولامثال لہ
سلام امت عاصی کا صد ہزار امشب
پڑھو درود بصد شوق اشتیاق عالم
کہ تم پہ خاص ہے یہ فضل کردگار امشب

□□□

حساب جرم مرا مالک حساب نہ پوچھ

علامہ بدر القادری: ہالینڈ

میں شرم جرم سے ہوں خود ہی آب آب نہ پوچھ
حساب جرم مرا مالک حساب نہ پوچھ
نبی کے صدقے مجھے بخش دے تو ہے غفار
میں لاجواب ہوں مالک مرا جواب نہ پوچھ
اک آن میں مری دنیائے دل بدل ڈالی
کھلا ہے کس طرح ان کے کرم کا باب نہ پوچھ
اس ایک مہر فلک ہی سے آنکھ خیرہ ہے
ہیں ان کی زیر ردا کتنے آفتاب نہ پوچھ
اٹھیں گے حشر میں مخمور اس کے متوالے
ازل کی مے کا نشۂ شراب نہ پوچھ
ہر ایک سانس پہ صد ہا عنایتیں ان کی
ہر ایک لمحہ ہے لطف آں جناب نہ پوچھ
جو شوقِ جلوہ ہے نادعلی کو ورد بنا
حقیر بدؔر سے تو شان بوتراب نہ پوچھ
مقر ہے بدؔر گناہوں کا اپنے یا ستار
ہے سر جھکائے لئے دیدۂ پر آب نہ پوچھ

□□□

سوئے مدینہ شوق سے رخت سفر کریں

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

فریاد رس ہیں آپ تو ہم رخ کدھر کریں
بیکس نواز ہم پہ کرم کی نظر کریں
وہ دن خدا دکھائے کہ ہم تشنہ کام بھی
سوئے مدینہ شوق سے رخت سفر کریں
منگتے ہیں وہ بھی ایسے کہ بن مانگے پاتے ہیں
''ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں''
جن کو ہوا حضور سے ادراک نظم وضبط
حق ہے انہیں کو بادشہی بے خطر کریں
رستے مہک مہک اٹھیں، گزریں جدھر سے آپ
عنبر عبیر مانند ہوں وہ رخ جدھر کریں
دنیا سے ظلم وجور کے سارے نشاں مٹیں
اخلاق مصطفیٰ پہ عمل سب اگر کریں
ہو داغ دل مشاہد رضوی باغ باغ
وہ خواب ہی میں دل سے مرے گر گزر کریں

□□□

آپ نے یثرب کو طیبہ کہہ دیا تو ہوگیا

دلکش رانچوی:

جلوۂ حسن سراپا کہہ دیا تو ہوگیا
آپ نے یثرب کو طیبہ کہہ دیا تو ہوگیا
دیکھئے شان رسالت جب زبان پاک سے
کعبہ اقدس کو قبلہ کہہ دیا تو ہوگیا
مسجد نبوی کے جس حصے کو آقا آپ نے
گلشن جنت کا ٹکڑا کہہ دیا تو ہوگیا
ہوگئے سیراب چودہ سو صحابہ دفعتاً
ہاتھ کو رحمت کا دریا کہہ دیا تو ہوگیا
غوث اعظم کی کرامت مرحبا صد مرحبا
آپ نے مردہ کو زندہ کہہ دیا تو ہوگیا
دیکھئے دل کش علی کے واسطے سرکار نے
لوٹ آ سورج دوبارا کہہ دیا تو ہوگیا

□□□

افکار رضا

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اس نور کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین
(حدائق بخشش)